

"کیا بتاؤں یہ بھی کر کے دیکھے چکا ہوں۔ لیکن جانتے ہو اس کا اتحام کیا ہو۔ پہلے تو وہ شور مچاتی رہتی پھر اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر لیا۔ بھلا بتاؤ اسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی رات بھر جا گئا تھا ہے اور ادھر کئی دن سے میں ہی جاگ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان پانچوں پر میرے علاوہ کسی اور کی نظر پر۔"

"واقعی آپ بڑے صبر آزم حالت سے دوچار ہیں۔" فریدی نے مغموم بجھے میں کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھو میں نہیں آتی کہ جب وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول جاتی ہیں تو پھر انہیں اپنی ماوری زبان کیوں گریاد رہتی ہے۔"

"اڑے میاں! اس کا بھی بڑا مبالغہ ہے۔" صولت مرزا نے چائے والی کا ڈھکن اٹھا کر اس میں جھاکتے ہوئے کہا۔ "شروع شروع میں اس پر گونگے دورے پڑتے تھے اور وہ تیرہ سال کی عمر میں کسی چھ ماہ کے پیچے کی طرح صرف غوں غوں کر لیا کرتی تھی۔ پھر ایک سال بعد اس نے خورد سال پیچے کی طرح ہکلا ہکلا کر بولنا شروع کیا اور یہ اتنی صاف زبان اسے سات سال کے عرصے میں حاصل ہوئی ہے۔"

"تو گویا دورے کی حالت میں ان کی بات چیت غوں غوں سے شروع ہوئی ہے۔"

"ہاں قطعی۔" صولت مرزا نے پر خیال انداز میں کہا۔ "دورے کی حالت میں اس نے زبان سمجھی ہے۔"

فریدی پر خیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن مجھے مشروہ دو کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا پھر بولا۔

"میں تو آپ کو بھی رانے دوں گا کہ آپ انہیں انگلینڈ یا کسی دوسرے مغربی ملک میں لے جا کر مدد سائیکوا ایلیٹ کو دکھائیے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو میں ایک سائیکوا ایلیٹ کے لئے آپ کو قدرتی خط بھی دے سکتا ہوں۔ لندن کے دیس اٹھیں ذا کرنٹ نائیون بہت مشہور آدمی ہے۔ وہ زیادہ تر زہنی اسرارض کا علاج بہت اچھی طرح کرتا ہے۔"

"اڑے میاں وہ کسی لے سفر کے لئے تیار ہی نہیں ہوتی۔ کئی بار کہا مگر جیسے اس پر کوئی اثری نہیں ہوتا۔ اب میرے لئے دور است رہ گئے ہیں یا تو بدناہی برداشت کروں یا خود کشی کروں۔"

"بھلا اس میں بدناہی کی کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ ایک مرض میں جلا

ہیں۔"

"لیکن اگر کسی اور نے بھی ان آدمیوں کو دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا۔"
"ہاں یہ بات ضرور قابل تشویش ہے۔"

صولت مرزا کسی گھری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے کی رہی کمی تو ناتھی بھی بڑھا پے کے اشکال میں تبدیل ہو چکی تھی اور آنکھوں سے ایک غم انگیز سنجیدگی ظاہر ہونے لگی تھی۔ فریدی بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور سرجنت حمید غالباً یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سوچنا چاہئے۔ اس وقت جیلے کو ہوش میں گفتگو کرتے سن کر وہ ایک نئی الجھن میں بجا ہو گیا تھا کہ اگر وہ سب کچھ حقیقتاً محض ڈھونگ ہی تھا تو اس ڈھونگ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر اسے اس ڈھونگ والے نظریے کو سرے ہی سے مسترد کر دیا پڑا۔ کیونکہ وہ سری طرف صولت مرزا کا بیہاں بچوں کی طرح زبان سیکھنا تیرہ سال کا ناپخت ذہن اتنی نکمل اور جامع انسکم نہیں بنا سکتا۔ خیر اچھا اگر اسے مرض ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان پر اسرار آدمیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"تو پھر بتاؤ کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ مطمئن رہئے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "مرض کے لئے تو خیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ پاچ آمدی۔"

فریدی کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ نوکرنے اور سلانوس کی آمد کی اطلاع دی۔

اور سلانوس اپنی تمام تر وحشتیوں سمیت ڈرائیک روم میں موجود تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے ایک عجیب ساق پتہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر احمدقوں کی طرح ایک ایک کامن لکھنے لگا۔

"فرمائیے۔" صولت مرزا نے ناخونگوار لبجھ میں پوچھا۔

اور سلانوس اسے چند لمحوں تک عجیب نظر دی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا الجد کچھ ایسا ہے جیسے میں تم سے کچھ اوحاد مانگنے آیا ہوں۔"

"دیکھئے! اس وقت طبیعت حاضر نہیں ہے۔" صولت مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"تو تم بھی غیر حاضر ہو جاؤ۔۔۔۔۔ میں تو ان مہماںوں سے ملنے آیا ہوں۔"

صولت مرزا نہ اسامنہ بنا کر کھڑا ہو گیا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑا اور اندر چلا گیا۔ اور سلانوس کے ہوتنوں پر ایک زہریلی سی مکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ صولت مرزا کے

پلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے وہ گیا تھا۔ یک بیک
چوک کر فریدی کی طرف مڑا۔

پھر وہ دہاں سے اٹھ کر نشست کے کمرے میں آئے۔

”ہاں تو محمد کمال افندی صاحب! کہنے رات کیسے گزری۔ آپ کی چوت کا کیا حال ہے۔“ اس

نے پوچھا۔

”احمد کمال فریدی کہنے۔“ فریدی نے سکرا کر کہا۔ ”رات اچھی گزری اور چوت میں بھی
کافی افاق معلوم ہوتا ہے۔“

”افاق... ہمہاں۔“ ارسلانوس نے قہقہہ لگایا۔ ”افاق۔“

”بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی۔“ حمید نے جزو ہو کر کہا۔

”ایک واقعہ یاد آگیا تھا اپنے بچپن کا۔“ ارسلانوس خسی روکتا ہوا بولا۔ ”لیکن میں جاؤں گا
نہیں۔“

”ہمیں کہا۔“ حمید مصنوعی غصے کا اظہار کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ کو بتانا پڑے گا۔“

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

”میں بے ہودگی نہیں پسند کرتا۔“ ارسلانوس نے کردت لہجے میں کہا۔

”آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ کیوں ہنئے تھے۔“

”حمدی...!“ فریدی نے اسے ڈالا۔

”آپ مت دھل دیجئے۔“

رسلانوس بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے کا اندر لڑکے والا ضرور تھا لیکن چہرے
پر اس قسم کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غیر ارادی طور پر اس سے کوئی
حرکت سرزد ہونے والی ہے۔

فریدی اس کا چہرہ بخور دیکھ رہا تھا۔ وہ یک بیک ان کے درمیان میں آگیا۔

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“ فریدی ارسلانوس کو صوفے کی طرف دھکیلا ہوا بولا۔

”بزرگوں کو اتنا تیز ہر اج نہ ہوتا چاہئے۔“

پھر اس نے پلت کر حمید کو ڈالا۔

بدقت تمام وہ ارسلانوس کو بخانے میں کامیاب ہوا۔ حمید بھی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ابھی تک اسے گھورے چارہ تھا۔ اس نے دراصل یہ چھیڑ چھاڑ مذاقہ شروع کی تھی۔ لیکن اب نہ جانے کیوں اسے بچنے غصہ آگیا۔

”میاں تم میں رکھا ہی کیا ہے۔“ ارسلانوس ہاتھ پناکر بولا۔ ”ایک منٹ کی گرفت میں ہمیاں کڑ کردا جائیں گی۔ میں نے صاحب کے لوٹے کو تو تمیک ہی کر دیا۔ تم کیا مال ہو۔“

”تمیک ہے، تمیک ہے۔“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”ہم واقعی آپ کے سامنے بچے ہیں۔ بھلا آپ کی پرانی ہندیوں کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں۔“

رسلانوس اب فریدی کو گھورنے لگا۔ حمید کم لازم اپنے متعلق تو یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ارسلانوس سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کی پر اسرار ویرانی بڑی ذرا اونی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس وقت فریدی کی آنکھوں کو اس کی آنکھوں کے مقابل وکیلہ رہا تھا۔ ارسلانوس خوفناک حد تک سنجیدہ نظر آرہا تھا اور فریدی کے ہونتوں پر سکراہست تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

دفتار ارسلانوس پھر بنس پڑا اور اب وہ احتجوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فریدی سکار سلاک نے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کس خط میں جتنا ہو۔“ اچانک ارسلانوس فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

”لیکن تم بھی دوسرے احتجوں کی طرح مفت اپنی جانیں ضائع کر دو گے۔“

”تھیں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے متین انداز میں پوچھا۔

”مطلب....!“ ارسلانوس نے تیز قسم کی سرگوشی کی اور پھر اس کے ہونتوں پر ہلکی سی سکراہست پھیل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں سنجیدگی سے پوچھا۔ ”میں کل شام ہی کو سمجھ گیا تھا کہ تم یہ دراج گز ہمی کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہو۔“

”بھلا کیوں!“ فریدی استفہا میں سر ہلاکر مسکرا لیا۔

”تحت عقرب کے لئے۔“ سونے کا دہ فرضی تخت جس کے لئے سینکڑوں جانیں جا چکی ہیں۔

”تمہیں بھاں کھنچ لایا ہے۔“

"تو کیا آپ اس کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" فریدی اس کے قریب آکر بیٹھتا ہوا بولا۔
"میں جانتا ہوں کہ اب وہ ایک شاندار غپ ہے۔ میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے
کہ راتا کے سپاہی یہ راج کی دوسری دولت کے ساتھ اسے بھی لے گئے تھے۔"

"میرے خیال سے تو آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔
"اوہ تم میری معلومات کو چیخ کر رہے ہو۔" ارسلانوس گھوڑ کر بولا۔

"دیکھنے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے نرم لمحہ میں کہا۔ "میں آپ کی معلومات کو چیخ
نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔"

"تھہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے۔" ارسلانوس نے تھخراں انداز میں پوچھا۔
"بعض قدیمی تکمیلیں۔"

"کس کی لکھی ہوئی ہیں۔"

"تم تو مجھے یاد نہیں رہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں
کہ" فریدی جملہ پورا نہیں کرنے پایا تھا کہ اندر کچھ شور ساستائی دیا اور وہ چونک کر اس کی طرف
ستوجہ ہو گیا۔

"کہو کہو! یہاں تو سب ہوتا ہی رہتا ہے۔" ارسلانوس پیزاروی سے بولا۔
"لیا ہوتا رہتا ہے۔"

"تو نہ چھوڑو بھی۔ تم شاید اپنی معلومات کا رعب جبار ہے تھے مجھ پر... ہاں... جباری رکھو۔"
"بہت منظر سایا جان ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے تخت عقرب یا تخت افغانی سے کوئی
دچکی نہیں۔ میں تو اس کے کی آواز کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔ یاد رکھ ج تم اپنے باپ ہی کی طرح پاگل معلوم ہوتے ہو۔"
فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پر خیال انداز میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کے
چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ ارسلانوس سے چیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

"کیا ہاں نہ چلے گا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ تو یہ کہو۔" ارسلانوس منہ بنا کر بولا۔ "میں لوگوں نہیں ہوں۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتے کہ تم لوگوں کو میری موجودگی کھل رہی ہے۔“

”ارے نہیں قبلہ! تشریف رکھئے۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”در اصل مجھے یہاں کے تھانے کے انچارج سے ملتا تھا۔ پھر کسی وقت مل آؤں گا۔“

”میں نہیں۔ جی نہیں۔ اسی وقت تشریف لے جائے۔ میں بھی عدم الفرست ہوں۔“ ارسلانوں نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے انداز میں کچھ الی بے ساختگی تھی جیسے وہ کسی خطرے کو نیال کر رہا گا ہو۔

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

”یہ کیا حماقت تھی۔“

”آپ آتائے تھے تھا۔“ حمید نے اپنے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”بعض اوقات تم بالکل لاو ہو جاتے ہو۔“

”ارے تو کیا کچھ آپ اس روائی تخت کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔“ حمید نے سکرا کر پوچھا۔ ”ہر افواہ کے پیچے کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے۔“

”بیس تو پھر اپنا تو صفائیا ہو گیا۔“ حمید جیز اڑی سے بولا۔ ”مجھے وہ ہیئت کی سامورتی اب تک ملی ہے۔“ ”لیکن اس کی پشت پر بھی ایک حقیقت تھی۔“

”اور ہم اس حقیقت کو سوچنے اور چانتے ہوئے شہنشاہے شہنشاہے واپس آگئے تھے۔“ حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

”اچھا اب کوہاں بند کچھتے۔ ہمیں یہ راج گڑھی تک چلا ہوا سگار کھڑکی کے باہر پھیکتے ہوئے کہا۔“

”باپ رے۔“ حمید پاپ سلاکتے سلاکتے رک کر بولا۔ ”بھی.... میں....!“

”کچھ نہیں۔“ فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اچھا ایک بات میری بھی سن لیجئے۔“

”کیا....؟“

”لیکن کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ رات پھر وہ نے سونے نہیں دیا۔“

”چلتے ہو یا گردن میں ہاتھ دوں۔“

”کیا مصیت ہے چلتے صاحب۔ کاش میرے والد صاحب زندگی بھر کنوارے ہی رہے۔“

”اب حکمکو بھی ورنہ تمہیں تو ناپید ہی کر دوں گا۔“

و دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک چکلی سی نسوانی آواز سنائی دی۔

”سنئے۔“

دونوں چونک کرمڑے۔ صولت مرزا کی چھوٹی لڑکی ٹکلیل عقی دروازے میں کھڑی فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”فرمائیے۔“ فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”وہ فریدی سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی۔ اس کے انداز میں کچھ چکچاہٹ سی تھی۔ حمید تختیر انہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

”اڑے بھی میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”خیر چلتے۔“

فریدی حمید کو سبھرنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا اور حمید پاپ میں مند دبا کر اپنا سر سہلانے لگا۔ اس کی آنکھیں میٹھک خیز طور پر اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔

پانچ منٹ گزر گئے لیکن فریدی واپس نہ آیا حمید اکتا کر برآمدے میں نکل جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس بار کسی دوسرا یعنی عورت نے اسے مخاطب کیا۔

وہ بوکھلا کر مڑا۔ صولت مرزا کی دوسری پر اسرار لڑکی جیلہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے سارے جسم میں سنتی دوڑ گئی۔ جیلہ عادت کے مطابق اس وقت بھی اپنی جیکھی سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

”فف.... فرمائیے۔“ حمید ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

”چلتے جاؤ.... تم دونوں بیہاں سے چلتے جاؤ۔“ وہ ذرماںی انداز سے تیز ٹرم کی سرگوشی میں بولی۔ اس کی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ پینچھے ہوئے تھے اور ماٹھے کی سلوٹیں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

”چھ.... چلتے.... جائیں گے.... بب.... نیل.... بالکل چلتے جائیں گے۔“ حمید پیچھے کھلکھلتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے کھڑی اسے ہمارت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعہ دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی اور حمید بونکلا کر برآمدے میں نکل آیا۔ وہ اپنے ماٹھے سے پیسے پوچھ رہا تھا۔ تحوزی دیر بعد فریدی نے اسے آواز دی اور وہ جواب دینے کی بجائے دوسری طرف منہ پھر کر کھڑا ہو گیا۔

”لیا بات ہے۔“ فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

حمید تھری سے اس کی طرف مڑا کچھ کہنا چاہل ہونٹ ہے۔ غصے کی شدت کی وجہ سے آؤلانہ نکلی۔

”کیوں؟ کیا تم ان رات والے آدمیوں کی ایکٹنگ کر رہے ہو۔“

”جتاب۔“ حمید زہر میلے لبجے میں بولا۔ فریدی کو چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک بر س پڑا۔

”جہنم میں گئی دوستی اور محبت۔ میں اس بحوث خانے میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔“

”آخر کچھ بتاؤ بھی تو۔“

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اس کمرے کی طرف چل پڑا جس میں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔

فریدی اس کے پیچے چلنے لگا۔

”یاد تم تو کسی خونخوار یہوی کی طرح پھٹے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔“ فریدی نے اسے پکڑ کر

روکتے ہوئے کہا۔ ”کچھ منہ سے بولو بھی تو۔“

”مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”کیا اس شیطان کی نوازی سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

”کس سے۔“

”بھوتوں کی محبوب سے۔“

”کیا جیل سے مدد بھیڑ ہو گئی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اے ہے۔“ حمید جلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ ”اس وقت ملی ہوتی تو یہ مسکراہٹ حلق سے اتر جاتی۔“

”آخر بات کیا ہے۔“

حمد خود ہی اس وقت بات کو زیادہ طوں نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح فریدی کو سمجھا جحا کر یہاں سے نکال لے جائے۔ لہذا اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔

”اچھا نہیں... میں بھی آیا۔“ فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حیدر آمدے سے نکل کر لان پر اتر آیا۔ وہ بار بار بوکھلا کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگا تھا کہ کہیں جیلہ تو نہیں آرہی ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد فریدی پھر دکھائی دیا۔ گھر سے تکڑ کی وجہ سے اس کے ماتھے پر رکیں ابھر آئی تھیں وہ حیدر کو چند لمحے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

”آؤ چلیں۔“

”اچھا... اچھا... میں سامان سینتا ہوں۔“ حیدر جلدی سے بولا۔

”ہم یہ راج گز گی جا رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور حیدر کا ہاتھ پکڑ کر پھالک کی طرف چلتے لگا۔

حیدر کا دل چاہا کہ یا علی کا نعروہ مار کر سر کے بل کھڑا ہو جائے۔

”سن! وہ اس وقت قطعی ہوش میں تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کی...!“ حیدر اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

”چپ رہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید اس وقت بھی اس پر دورہ پڑا ہو گا۔ مگر ایسا نہیں۔ صوت مرزا سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صحیح سے اب تک سوئی ہی نہیں لہذا اپنے ہوش میں ہے۔“

”ہوش میں ہو یا نہ ہو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔“

”عورت ہے پیدا... اور حسین بھی ہے اس کے علاوہ تمہیں اور کیا چاہئے۔“

”مجھے تو بس اب میں گز کفن چاہئے۔“ حیدر جھلا کر بولا۔

”خیر اس کا بھی انتقام کر دیا جائے گا۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلو۔“

حیدر منہ پھلانے ہوئے اس کے ساتھ چلتے لگا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک کانڈا کا نکلا حیدر کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

”یہ کیا...؟“ حیدر نے پوچھا۔

”پڑھ لو۔“

حیدر نے اسے پڑھ کر نہ اسامنہ بنایا۔ اس میں کچھ بے سرو پا اشعار لکھتے تھے۔

دھن دھن دھن نقارہ باجے
 بچو پر یہ راج برائے
 نقارے میں ڈگ لگا ہے
 مہالی کا نقارہ ہے
 بچو پر آؤ بیٹھے گا
 ڈگ پر چڑھ کر ران کرے گا
 حید استفہا میں نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیوں؟ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 ”آپ مجھے آؤ کیوں سمجھتے گے ہیں۔“

”محض اس لئے کہ ہم لوگ آنھوئیہ آؤ کے مہماں ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی پاگل پن کی توقع رکھ سکتے ہو؟“

”آپ پر کیا تم خصر ہے میں خود کو ہی پاگل سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“
 ”خبر یہ کوئی تی بات نہیں۔ ان اشعار کا مطلب سمجھنے۔“

”اس کی ضرورت یہ نہیں سمجھتا۔“ حید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”ابتدہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کروں گا اور جب میرے پیچے اس قابل ہو جائیں گے تو انہیں بھی یاد کراؤں گا اور انہیں وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کراؤ۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے اچھے شعر بھی نہ کہہ سکیں گے۔“

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے مسکرا تارہ
 سمجھنے یہ اشعار غلیلہ سے ملے تھے۔

ایک اشارہ

حید بے تحاشہ ہٹنے لگا۔

”خبریت... خبریت۔“ فریدی اسے گھوڑا ہوا بولا۔

”یہ لڑکی بھی پاگل ہی معلوم ہوتی ہے۔“
”کیوں؟“

”بھلا ان مہمل اشعار سے ذہن کے اس گوشے کا کیا تعلق جہاں عشق کے کیڑے کلباتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”اسے تو عشقی اشعار یا فلمی گیت لکھنے چاہئے تھے۔ مثلاً مارکٹ اری مر جانا... یا ہو گئی رے میں تو ہو گئی... یا پھر دل لے کے چلے تو نہیں جاؤ گے ہو راجہ جی... ہو راجہ جی۔“
”تم ہو خاصے چھڑ...!“ فریدی خنک لبھ میں بولا۔ ”تمہیں بس دو ہی باتیں آتی ہیں یا تو خرگوش کی طرح دیکھنے پڑو گے یا پھر عشق! وہ بھی گھٹیا قسم کا۔“

”خیر خیر... یہاں تو ہر چیز گھٹیا ہے۔ آپ بخبرے اونچے آدمی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ شکلید ضرور آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی۔ ہاں ذرا کم ہے۔“

”حید کے بچے۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ”آخر تم اپنی طرح مجھے بھی کیا سمجھتے ہو۔“
”آپ بھی میری طرح آدمی ہیں۔“

”مگر میں نے زندہ رہنے کا طریقہ آدمیوں سے سیکھا ہے۔ کتوں سے نہیں۔“

”آپ مجھے کتا کہہ رہے ہیں۔“ حمید نے بگلا کر کہا۔

”صرف کہہ ہی نہیں رہا ہوں بلکہ واپسی پر تمہیں کتوں کے ساتھ باندھوں گا۔“

”اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ یہ سب مذاقا کہہ رہے ہیں تو میں...!“

”ہاں تو تم کیا کرتے۔“ فریدی اسے حکمے پن سے دیکھتا ہوا بولا۔

”صبر کرتا۔“ حمید نے اتنی بے بی سے کہا کہ فریدی بے اختیار نہ پڑا۔

”خیر.... غیر ضروری باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”فی الحال ہمیں۔“

”بھریے! پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے۔“

”کیا...؟“

”یہ راج گڑھی سے واپسی پر ہم کہاں جائیں گے۔“

”ظاہر ہے کہ جہاں تھے۔“

”نا ممکن! میں اب دہاں ہرگز نہ جاؤں گا۔“

”تو کیا تم واقعی سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔“

”قلمی۔“

”یقین نہیں آتا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”آخر یقین نہ آنے کی وجہ۔“

”میں نے تمہیں کبھی کسی بجلد سے بھاگنے نہیں دیکھا۔ جہاں خوبصورت لڑکیاں ہوں۔“

”لڑکیاں کہہ رہے ہیں آپ انہیں۔“ حمید جیکر بولا۔ ”اگر وہ لڑکیاں ہیں تو خدا شیطان کو

بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے۔“

”تم پاکل ہو گئے ہو۔“

”خدا کرے میری ہی طرح آپ بھی پاکل ہو جائیں۔“

”آخر تم جیلے سے ڈرتے کیوں ہو۔“

”چلنے یہ بھی ایک عی رہی۔ مجھے آپ سے توقع نہیں تھی کہ آپ پھوں کی طرح باتیں کریں گے۔“

”آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”یہی کہ یا تو مجھے معاف کیجئے یا خود کشی کی کوئی آسان سی ترکیب بتادیجھے۔“

”یہ دونوں کام بہت مشکل ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہیں دراصل سکا کر مارنا چاہتا ہوں۔“

، حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور منہ چلائے راستہ طے کر رہا تھا۔ فریدی ہی بولتا رہا۔

”جمیلہ نے اس وقت جو بھی کہا ہے قلمی ہوش میں کہا ہے۔ پھر بھلا ہتاو۔ اس بات کا پتہ

چلائے بغیر میں کس طرح پہنچے ہٹ سکتا ہوں کہ وہ یہاں ہماری موجودگی کیوں تاپنڈ کرتی ہے۔“

”ارے جاسوسِ اعظم۔“ حمید دانت چیز کر بولا۔ ”بلکہ ار سلانوسِ اعظم تو بالکل سامنے بات ہے۔“

”یعنی....!“

”کل رات کو حضورِ اعلیٰ نے اس کے چیتے بھوتوں پر حملہ کر دیا تھا۔“

”غم دروسرے کی حالت کی باتیں تو اسے یاد ہی نہیں رہتیں۔“

”اور آپ کو اس شاندار غپ پر یقین آگیا ہے۔“

”غپ نہیں ہے فرود نہ...!“

”ہو سکتا ہے کہ اب ایشیا کا نامور سراغ رساں پکھ جاوے اور بلند ہو رہا ہو۔“ حمید خلک تم کے طفیرے لجھے میں بولا۔

”ایشیا کا یہ کمترین جاسوس تم سے بہر حال زیادہ تجربہ کا رہے۔“ فریدی نے پڑتے چلتے رُک کر سگار سلاکاتے ہوئے کہا۔

”خیر نہ گھوڑا دو رنہ میدان۔“ حمید بولا۔ ”میکن میں تو اسے پسندت کروں گا کہ وہ اعلیٰں کی محبوبہ کسی رات سوتے وقت میری گرد़ن ناپ دے۔ میں نے کل رات والے بھوتوں کی گفتگو سنی ہے۔“

”اچھا میاں صاحب زادے اگر تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں لجر تم کی رویات کے مطابق یہ بھی معلوم ہو گا کہ بھوتوں سے دنیا کی کوئی چیز پو شیدہ نہیں رہتی۔“

”میکن ہے۔“

”تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ بھوت معمولی آدمیوں کی طرح کسی نقارے کی حلاش میں کیوں ہیں۔“

”میکن ہے.... نقارے سے ان کی کچھ اور مراد ہو۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی خلک لجھے میں بولا۔ ”میکن ہے وہ پادشاہی طلوہ سوہن کو فرارہ کرتے ہوں اور اس اصلبل کو طوائی کی دوکان سمجھتے ہوں۔ آخر، بھوت ہی غمہ ہے۔ ہماری طرح ان کے پاس عقل تو ہوتی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو بھوت کیوں بختے کیونکہ بھوت بننے سے آسان تو لیذری ہے۔“

”دیکھئے! کبھی بھی میرا کہنا بھی مان لیا کے جئے۔“

”میں اسی انتقام میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں کہ ایک بار تو تم کوئی قاعدے کی بات کہو اور میں مان کر آرام سے قبر میں جاسوؤں۔“

”اچھا اگر میکنی بات ہے تو میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔“ حمید نے بھتنا کر کہا۔

”مگر خدا کرے مجھ سے پہلے آپ کی گرد़ن ناپی جائے تاکہ میں آپ کی روح کو سات سلام کرنے کے بعد خود بھی آپ کے یچھے رو انہ ہو جاؤں۔“

”اچھا بکواس بند۔“

”بند ہو گئی جتاب۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن آخری بات پوچھنے کی اجازت دیجئے۔“
”بے تکمیل ہونی چاہئے۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شکلید آپ کو کہاں لے گئی تھی۔“

”کیوں نہیں...!“ فریدی سکرا کر بولا۔ ”وہ میرا آٹو گراف لینا چاہتی تھی اس نے میرے
کیوں کے تراشے اخبارات سے جمع کر کے ان کا البم بنایا ہے۔ اسی البم پر میں نے آٹو گراف دیئے
ہیں۔“

”تو کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ اپنے فریدی کے سارے کاروائے سر جنت حمید کی مدد کے
 بغیر ادھورے رہ جاتے۔“

”جانتی ہے۔“ فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تو اس نے میرا آٹو گراف کیوں نہیں لیا۔“

”خیر اس پر بھی کبھی بحث ہو گئی۔“ فریدی نے کہا اور رک کر ایک راہ گیر سے یاد ران
گز گھی کاروائے پوچھنے لگا۔

”ٹھیک ہی جادہ ہے تھے۔“ فریدی پھر بولا۔ ”ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ اگر وہ اس وقت
میرا آٹو گراف نہ لے گئی تو مجھے زندگی بچرا فسوس رہتا۔“

”افسوس کی بات ہی تھی۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”ایسی ملائی قسم کی لڑکیوں کو تو ہر ایک کا آٹو
گراف لینا چاہئے۔“

”پھر آگئے اصلیت پر۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹو
گراف نہ لے گئی تو مجھے یہ بے کچے اشعار بھی نہ ملتے۔“

حمدید بے اختیار بس پڑا لیکن پھر فوراً ہی سچل کر فریدی کی طرف متوجہ انداز میں دیکھنے لگا۔
”کیوں بھلا ان اشعار کی کیا اہمیت ہے۔“

”بہت بڑی اہمیت ہے حمید صاحب۔ اگر اس لڑکی کا یہان صحیح ہے تو یہ اشعار بڑی قیمت رکھتے
ہیں۔“

”یعنی...!“

”یہ اشعار اس کی نظم کی کافی میں لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کے انتقاب کے معاملے میں وہ“

ایک بادوچ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ سو اے ان پر۔ جس نے اس کی کانی میں کوئی چڑھا اور بے کنگی چیز نہیں دیکھی۔“
”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“

”پوری بات سنو تو... میں ان اشعار کو پڑھ۔“ اف دینٹ جسپنی ہوئی
ہنسی کے ساتھ کہنے لگی کہ اس نے انہیں قدیم سمجھ کر تمہارا نامہ اس سے جیو
اس نے ایک پرانے کتبے سے نقل کئے تھے جو یہ راج گڑھی کی کھدائی آمد ہوا تھا۔
”اوہ... تو یہ بچھو...!“ حمید چوہک کر بولا۔
فریدی ہنسنے لگا۔

”بہت دری میں عقل آئی ہے۔“ فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف پھینکا ہوا بولا۔
”تو کیا اس بچھو کا تعلق تخت عقرب سے ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ابھی کیا کہا جاسکتا ہے، بہر حال“ بچھو پر یہ راج برائے“ سے تو سیکی ظاہر ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ راج تمہاری طرح پاگل تونہ رہا ہو گا اور کسی بچھو پر بینے جانا اور اس خارے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی خارہ ہو جسے تمہارے بھوت تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔“
”لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اشعار کسی کتبے سے نقل کئے گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس گھر میں کوئی بہت ہی خوفناک ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ اتفاقاً ہم لوگ بھی دہاں جا پہنچے اور شاید ان کی نادانشگی میں اس کا ایک آدھ منظر بھی دیکھ لیا۔ اس لئے اب وہ ہمیں آؤ ہنانے کے لئے واقعات کو کوئی اور خل دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”چلو سیکی۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں فی الحال تمہارے خیال کی تردید نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی یہ حالات اس قابل نہیں کہ ان میں دلچسپی لی جائے۔ کئی باتیں قابل غور ہیں۔ صولت مرزا چاہتا ہے کہ ہم یہاں قیام کریں۔ جیلے چاہتی ہے کہ چلے جائیں۔ ارسلانوس تخت عقرب کو داہمہ قرار دیتا ہے، صولت مرزا اس کے وجود سے مکر نہیں اور آج شکلید کی کانی میں مجھے یہ اشعار ملتے ہیں۔“

”اور اس کے بعد حمید کے پٹھے کا قیصر ہو جاتا ہے۔“ حمید نے اسامنہ بناؤ کر بولا۔
”پھر وہی بکواس۔“ فریدی با توں کی رو میں بوتا رہا۔ ”اب یہ دیکھنا ہے کہ کھدائی والی بات کہاں تک رکھ ہے اور آثار قدیمہ کے سر کاری جھکے کی طرف سے کھدائی ہوئی تھی یا کسی ہسوار یکل

وسائی کی طرف سے۔ میں نے ابھی تک صولت مرزا سے اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی۔ ”قطیعی فضول ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں...؟“

”ان کھدائی کرنے والوں کا پتہ زندگی بھرنا جال سکے گا۔“

”آخر کیوں؟“ فریدی نے سچ آکر کہا۔

”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آخر آپ اتنی جلدی ہر بات پر ایمان کیوں لے آتے ہیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ وہ آخر ہواں کیوں نہیں تو اور دسوائیں کیوں بنانے کے چکر میں ہے۔“

”اف..... فوہ..... تم سے پنچا آسان کام نہیں۔ اثبات یا نفی کے علاوہ کوئی تسری راستہ ہو تو ہتا۔ وہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس بات پر یقین کر لیا جائے یا ان کیا جائے۔ چلو ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ تخلیلہ کا بیان قطعی درست ہے۔ اب اس مفروضے کو یقین میں بدلتے کے لئے جو جدوجہد کرنی پڑے گی اس سلسلے میں ہمیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے اس کے علاوہ اگرچ جو گل حصہ کا حصہ ہے تمہارا۔“

”میں کہتا ہوں آخر اس کا بچھتا ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔“

”نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو تمہاری شادی جیلہ کے ساتھ نہ ہو سکے گی۔“

”چھوڑیے جی! میں آج کل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم ایک عورت سے بُری طرح خائف ہو۔“

”میں اسے عورت سمجھتا ہی نہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ عورت ہے تو میں اب زندگی بھر عورت کا نام نہیں لوں گا۔“

”لیکن اس عورت سے ایک بہت ہی اہم کام لیا جاسکتا ہے۔“

”کیا...؟“

”وہی جو دوسرے لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہی جنہیں تم بھوت کہتے ہو۔“

"بس بس اب مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریجئے۔" حمید نے ماتھے سے پیٹ پوچھتے ہوئے کہا۔
"اس بار آپ کو بھوت توں کا قاتل ہی ہونا پڑے گا۔ میں تو آپ کو سبی مشورہ دوں گا کہ اس
کے پکڑ میں نہ پڑیے۔ یہ پورا قصبہ آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کوئی اس ہے۔" فریدی نے سکار سلاگاتے ہوئے کہا۔

"بھی مجھے تواب پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ دھوپ ہے کہ دوزخ کی آنکھ اور یہ راج گڑھی
کا راست شیطان کی آنت۔"

"ٹھہر و.... وہ سامنے کنوں دکھائی دے رہا ہے اور کچھ لوگ پانی بھر رہے ہیں۔"

وہ دونوں لے لے ڈگ بڑھاتے ہوئے کنوں میں کے قریب آئے۔ یہاں انہوں نے پانی پیا اور
پھر جل پڑے۔ گری کی شدت کی وجہ سے دونوں کا نہ احوال ہو رہا تھا۔ یہ راج گڑھی کے
منارے تو دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ ابھی دور تھی۔ چلتے چلتے حمید بولا۔

"چلتے اگر میں اسے مان بھی لوں کہ وہ بھوت مصنوعی تھے یعنی وہ بھوت توں کا بہر دپ تھا تو یہ
آپ اس کتے کی آواز کو کس طرح جھٹا لیئے گا اس کے لئے کون سا خبلی جواز پیش کریجے گا۔ کوئی
تجرباتی مثال آپ کے آؤے آئے گی۔"

"بھی اسے میں خود ابھی نہیں سمجھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس سلسلے میں کسی مادرائی
قوت کا وجود تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"ٹھیک ہے.... بعض لوگ اپنی عقل کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔" حمید
زہر خند کے ساتھ بولا۔

"بینیے اس وقت تو تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ لیکن اسے یاد رکھو کہ تمہیں بعد کو شرمندہ بھی
ہونا پڑے گا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر بدستور پیز اری کے اثرات بکھرے رہے۔
"میرا خیال ہے۔" فریدی پھر بولا۔ "اگر اس رات کو تمہیں یہ راج گڑھی میں ایک بار بھی
ہوش آیا ہوتا تو شاید تم مرہی جاتے اور اگر نہ بھی مرتے تو کم از کم اپنا غہب تو ضرورتی بدل
ڈالتے۔"

"کیا مطلب....!"

"خدا پرستی کے بجائے بھوت پرستی کے قائل ہو جاتے۔"
"یعنی...؟"

"یعنی کہ میں ابھی کچھ اور نہیں بتانا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور رک کر بجھا ہوا سگار سلاگا نے لگا۔

دیوانی کی باتیں

تحوزی دیر بعد وہ یاد راج گز میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک عظیم الشان
کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ کہیں عمارتوں کے آثار اب بھی باقی تھے۔ منارے تو قریب قریب اب تک
محفوظ تھے۔ سب سے پہلے وہ اس منارے کے قریب پہنچے جس پر انبوں نے کتے کی آواز سنی تھی،
حید کا پ کر رہ گیا۔ تحوزی دیر تک فریدی پہنچے سے اوپر تک اسے دیکھا رہا پھر اس دروازے کے
قریب آیا جسے اینٹوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر حید کی طرف پلٹ آیا۔
بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اسے کھلوانے کے لئے آثار قدیمہ سے اجازت لجھا پڑے گی۔"
اس نے کہا۔

"اوہ تو اب اس فتنے کو باہر نکالنے کا رادا ہے۔" حید نے کہا۔
"شجائے تم کن کن زاویوں سے باتیں کرتے ہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "اگر وہ تمہارے
خیال کے مطابق بھوت ہے تو کیا اس حرم کی دیواریں قید کر سکیں گی۔"
"چلے... چھپا چھوڑیے۔" اس نے یہ بات سوچ کچھ کر نہیں کی تھی۔
وہ کافی دیر تک گز می کے چکر لگاتے رہے، حید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کی
ٹلاش میں ہو۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہوں۔" حید نے کہا۔
"ہاں مجھے ایک پاؤں کی ٹلاش ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ وہ تو صولت مرزا کے گھر میں موجود ہے۔"

"پھر وہی حرکت...! فریدی منہ بنا کر بولا۔

"آخر باؤں کیوں؟" حید نے سنجیدگی سے پوچھا "آپ کئی بار کسی باؤں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔"

”کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”اگر مل جاتی تو اچھا تھا۔ قدیم عمارتوں میں ایک آدھ بادولی ضرور نظر آتی ہے۔“

”آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔“

”نہیں تو.... قطعی نہیں۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلاکا نے لگا۔

تحوڑی دیر تک اوہ رجک مارنے کے بعد وہ اونٹے گئے۔ دفعہ فریدی اینٹوں کے ایک ڈھیر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی مجس س نکاہیں کسی چیز پر جبی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ رجک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے اور جب اس کے پاس واپس آیا تو اس نے اس کے ہاتھ میں ایک فاؤ نشین پن دیکھا۔

”پار کر فتنی دن ہے۔“ فریدی اسے پر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”غائب یہ دی جگہ ہے جہاں ہم گرے تھے، لیکن فاؤ نشین پن! کہیں یہ ہمارے ساتھیوں میں سے تو کسی کا نہیں ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم میں سے تو کسی کے پاس بھی پار کر فتنی دن نہیں تھا۔“

”پھر یہ کس کا ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور ایک بار پھر اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ کافی دیر تک جھکا دیکھا رہا۔ پھر ایک اینٹ اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ جیب سے محمد شیشہ نکال کر اس نے اینٹ کا جائزہ لیتا شروع کر دیا۔

”نشانات تو ہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”یہاں اس مٹی کے دھبے پر، جواب خشک ہو چکا ہے۔“

”مید اس کے قریب آگیا۔ فریدی سر اٹھا کر پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہ ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے ہوں۔“

”ہو گا صاحب! اسے چھکنے اور چل دیجئے۔“ حمید نے آتا کر کہا۔ ”نہ جانے آپ کس چکر میں ہیں۔“

”اب شاید بتاہی پڑے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اینٹوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ ”دیوار گرنے کے بعد سے صولت مرزا کی حوصلی میں چھکنے تک ہم اسی میں نہیں دبے پڑے زہے تھے۔“

”پھر....!“ حمید یک چوکر کر بولا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک باوی میں پایا تھا اور تم بھی میرے ہی قریب پڑے ہوئے تھے۔"

"میں....!" حمید اچھل کر بولا۔ "لیکن مجھے تو یاد نہیں۔"

"تم بے ہوش تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے خوشنی ہے کہ آخر تک ہی ہوش تھی رہے۔" "کیا مطلب....؟"

"چکھ نہیں مطلب یہ کہ تمہارا انخسادل اس تبدیلی پر دھڑکنے لگتا اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی نابالغ لاکی کی طرح پچھوت پچھوت کرو نے بھی لکتے۔"

"آخر کیوں؟"

"فضول وقت مت برپا کرو۔ آؤ چلیں۔"

"اس اینٹ کو تو چھینکے۔"

"نہیں۔ اپنا اطمینان کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ چلو بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ نشانات ہمارے ساتھیوں ہی میں سے کسی کے ہوں گے۔" وہ چلتا ہوا بولا۔

"آخر انہوں نے ہی نہیں اس ذہیر سے نکلا ہی تھا۔ اس وقت انہیں بھیگ رہی ہوں گی البتہ ان پر کوئی ہوتی مشی میں نشانات ضرور پڑے ہوں گے۔"

"لیکن ان سے پہلے بھی کسی نے ہمیں اس ذہیر سے نکلا ہو گا۔ ورنہ ہم باوی میں کوں کر پہنچے اور پھر اس کے بعد دوبارہ ہمیں اس ذہیر میں دفن کیا ہو گا۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر ذرا اسے دیکھو۔"

اس نے اپنا داہما تھج حمید کے سامنے پھیلادیا۔

"کیا تم بتائتے ہو کہ یہ نشانات کیسے ہو سکتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"خراش....!"

"جناب....!" فریدی سمجھدی سے بولا۔ "یہ خراشیں ایک چنگاڈھ کے پنجوں کی ہیں۔ جو مجھ پر اس باوی میں چھپنی تھی۔"

"تمال کر دیا آپ نے۔ جب بیہاں کوئی باوی ہے ہی نہیں تو۔"

"ہے تو ضرور۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"ویکھنے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اس شیطانی چکر میں نہ پڑیے۔"

"بکے جاؤ۔"

حمدیکچھتے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو راہ راست پر لانا تما ممکن ہے۔ ایک بار کوئی نظر یہ قائم کر لینے کے بعد اس کا اس سے ہٹ جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ منہ میں پانی لے کر سیٹی بجانا۔ اب اس نے حمید کی الجھن میں اضافہ کر لینے کے لئے ایک نیا شوش چھوڑ دیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر باوی والی بات اس نے اسے اتنی دیر سے کیوں بتائی۔ وہاں بھی کوئی خاص قسم کا حادثہ پیش آیا تھا؟ بہر حال یہ بات معلوم ہونے پر حمید کے یقین کو اور زیادہ تقویت پہنچ گئی اور وہ اسے سچھ شیطانی کا رخانہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح فریدی کو اس چکر سے نکال لے جائے اور خود بھی جان بچائے۔ اپنی جان تو خیر وہ بچائی سکتا تھا۔ اگر وہ واپس جانے پر اڑ جائے تو فریدی اسے باندھ کر تو رکھنے سے رہ۔ لیکن وہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرتا چاہتا تھا۔ وہ فریدی کو کسی خطرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی وجہ افسری اور ماتحتی کا خیال نہیں تھا۔ فریدی کی شخصیت اور کردار نے اسے اپنا غلام بنالیا تھا۔ وہ اس کے بے پناہ خلوص کا پیچاری تھا۔ اس کی اس محبت پر جان دیتا تھا، جو صرف چھوٹے بھائی ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا جس سے ان کے جذباتی رشتہ مجرد ہوتے۔

"لیکن ذرا یہ تو بتائیے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کہ آپ کی خودداری کہاں

قام کرے گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جہاں لوگ اس کے قیام کے خواہشمند ہوں۔"

"اوہ.....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو گویا تم اب تک جیلہ کے خیال میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

"میں نے تو اپنی بڑی توجیہ محسوس کی ہے۔"

"مگر ہم توصولت مرزا کے مہمان ہیں۔"

”چے خوب.... گویا جیل صولات مرزا کی لڑکی نہیں ہے۔“

”ہے کیوں نہیں.... لیکن پاگل ہے۔“

”مجھے تو یہاں سمجھی پاگل دکھائی دیتے ہیں۔“

”اچھا تو تمہارا انتظام ارسلانوں کے یہاں کراؤں گا۔“

”بہتر ہو گا کہ آپ مجھے کسی ریچھ یا بھیڑیے کے پر دکر دیجئے۔“

”اُرے نہیں۔ بڑا پیدا آؤ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اپنا اپنا ذوق ہے۔ بہر حال میں اس ڈارون کے پٹھے کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔“

”اوہ ہو.... تو بے چارے ڈارون پر کیوں غصہ اتار رہے ہو۔“

”محض اس لئے کہ یہ ساری بیداری اس کی پھیلانی ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے

غیر مردوئی قوتوں پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔“

”میں حید صاحب یہ خیال اپنے ذہن سے نکال لو۔ ورنہ مجھے تم سے نفرت ہو جائے گی۔“

”ماش نفرت ہی ہو جاتی۔“

”اچھا ذرا احتیز چلو۔“ فریدی نے اسے پھر دھکا دیا۔

”چل تو رہا ہوں۔ اب کیا سر کے بل چلوں۔“

تمن بجھے بجھے وہ لوگ اپنی قیام کاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھلایا اور نہ صولات مرزا کو اطلاع ہی دے کر گئے تھے۔ صولات مرزا کافی دیر تک بزرگانہ انداز میں فریدی کو برآ بھلا کھتارا ہے۔ حید اندر ہی نہیں گیا۔ اس نے فریدی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی چائے اس کے کمرے میں بھجوادے۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس گھر میں مزید قیام کرنے کے خیال ہی سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ پاپ میں تمبا کو بھر کر اسے سلاکتا ہوا ایک آرام کری پر لیٹ گیا۔ راستے کی تھکن پچھلی رات کی بیداری ایک بوجھ کی طرح اس کے ذہن پر مسلط ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے تمن چار گھرے گھرے کش لینے کے بعد جلی ہوئی تمبا کو ایش ٹرے میں مجھازدی اور پھر آرام کری پر نیم درواز ہو کر او گھٹنے لگا۔

ابھی اچھی طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ کسی نے دروازے پر دسک دی۔ حید منہ سکوڑتا ہوا انخل۔ ساتھ ہی وہ بڑا تبا بھی جا رہا تھا۔ کوئی تھک ہے ابھی سے چائے بھی آئنی ان لوگوں کو سوا

کھانے پینے کے کچھ اور بھی آتا ہے۔ کیا مصیبت ہے.... اے باپ؟
دروازہ کھولتے ہی وہ بے اختیار اچھل کر پہنچے ہٹ گیا۔
دروازے میں جیلہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"جی ہاں....!" حمید بوکھلا کر بولا "مم.... میں سامان ہی.... بب.... باعث ہ رہا تھا۔"
جمیلہ اندر چل گئی اور حمید کے جسم سے پسند چھوٹ پڑا۔

"وہ دیکھنے تا....!" وہ پھر بولا۔ "یہ بکس ہے تا.... ذرا اس کی کندھی کچھ سخت ہو گئی ہے۔
اے.... ہولڈ اکاہا ہے۔ بستر بندھ گیا۔ بالکل بندھ گیا۔"
جمیلہ آرام کر کی پر بینچ گئی۔

"آپ اتنے مسحک خیز کیوں ہوئے چارہے ہیں۔" جیلہ پر سکون لجھ میں بولی۔ حمید نے
محسوس کیا کہ وہ حق بخواہ تجوہ الہ ہوا جا رہا ہے۔ اس سے یہ حرکت قطعی غیر ارادی طور پر سرزد
ہوئی تھی۔ لہذا اب وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا
لیکن اس کا نچلا ہونٹ ابھی تک خود بخود پھر کے جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا
جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

"مجھے اپنے روئے پر افسوس ہے۔" جیلہ آہستہ سے بولی۔ "میں غصے میں تھی۔"

"اوہ کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔"

"لیکن میں کیوں غصے میں تھی؟" جیلہ نے سوال کیا اور حمید پھر بوکھلا گیا۔ اس نے یہ سوال
محض باتوں کی رو میں کیا تھا۔ ورنہ جواب طلب نظر توں سے حمید کی طرف دیکھتی نہ رہتی۔

"غایباً آپ کو فریدی صاحب پر غصہ آیا ہو گا۔" حمید نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔

"بھلاں پر کیوں آتا۔"

اس دوسرے سوال پر حمید جھنجھلا گیا۔ اس دوران میں اس نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا اور
اس کا دماغ سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی وہ ساری صلاحیتیں بھی جاگ
اٹھی تھیں جو عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی ہوتی تھیں۔

"شاید آپ کو ان کی بے ذمکی چال پر غصہ آیا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"تو گویا میں اب تک ان کی چال دیکھتی رہی ہوں۔" جیلہ نے ناخنگوار لجھ میں سوال کیا۔

”آپ غلط سمجھیں۔ یہ بات نہیں۔ قاعدہ ہے کہ بعض بے ہنگم چیزوں پر خود بخود نظر پڑ جاتی ہے۔“
جیل خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی دیوار پر جی ہوئی تھیں اور حید گھبرا کر
اس کی نظریں کا تعاقب کر رہا تھا کہ کہیں دیوار سے کوئی بھی ایک چیز نہ لکل پڑے۔
”بہر حال میں غصے میں تھی۔“ وہ آہت سے بولی۔

”مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔“ حید جلدی سے بولا۔ ”غصے میں آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے منہ
سے لکل کچھ ہے۔ مثلاً میں ہی غصے کی حالت میں بڑی بے عکی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ اگر غصے میں
کسی کو گدھا کہنا ہو گا تو مثار یا چند رکھہ جاؤں گا۔“

جیل کے ہوتوں پر ایک بے جان مسکراہٹ چیل گئی۔ بہر حال حید کی عاقبت روشن کرتے
کے لئے بھی کافی تھا۔ وہ اچھی طرح چکنے کے موڑ میں آگیا۔

”اب ایک بار کا لیفڈ سنئے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”ایک نوکر پر ایک دن بڑا تاؤ آیا۔ کہتا یہ
چاہتا تھا کہ سور کے بچے جہنم میں جاؤ۔ لیکن بوکھلاہٹ میں کہہ گیا جہنم کے بچے سور میں جاؤ۔ لہذا
وہ مر عوب ہونے کے بجائے سر پیٹ پیٹ کر پہنچنے لگا۔“

جیل پھر مسکرائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچاک اس طرح سنجیدہ ہو گئی جیسے حید نے
اسے گالی دی ہو۔

”میں یہاں آپ سے فلرٹ کرنے نہیں آئی۔“ اس کے لمحے میں حید نے ناقابل برداشت
قسم کی تحریک محسوس کی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ اس کے دوسرے لمحے کا منتظر تھا اور خود جیل کے
انداز کی تحریکی یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس ایک لمحے پر انتقام کرے گی۔ وہ کچھ کہنا ضرور
چاہتی تھی لیکن چہرے پر پھکپاہٹ کے آثار تھے۔

”میں آپ سے صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“

”آپ یقین رکھیں کہ وہ صرف مجھ تک ہی محدود رہیں گی۔“

جیل کے ہوتوں پر ایک زہری مسکراہٹ چیل گئی۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ والد صاحب نے تم لوگوں کو بھی اس سازش میں شریک کیا ہے۔“

”سازش....!“ حید چوک کر بولا۔

”ہاں سازش....!“ وہ تیز لمحے میں بولی۔ ”بہت دنوں سے برداشت کر رہی تھی لیکن اب

ضبط کی سرحدوں سے باہر ہو چکی ہوں۔ والد صاحب نے شاید تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ مجھے کیوں بدنام کر رہے ہیں۔“

”بدنام کر رہے ہیں۔“ حمید کے لمحے میں حرمت تھی۔

”بھولے مت بنو۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔“

حمید حرمت سے اس کامنہ دیکھتا رہا اور وہ بولتی رہی۔

”والد صاحب اس لئے مجھے بدنام کر رہے ہیں کہ میری شادی نہ ہو سکے۔ اگر شادی ہو گئی تو وہ تمن لاکھ کی رقم ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی جو نانا جان مر حوم خاص طور پر میرے نام سے بینک میں جمع کرائے ہیں۔“

”اوہ....!“

”پھر تم نے ایکٹنگ شروع کی۔“ جیلہ نے اسامنہ بنا کر بولی۔ ”تم مجھے کسی طرح اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے کہ تم دونوں اس سازش میں شریک نہیں ہو۔“

حمد نے سوچا کہ کیوں نہ فی الحال اس کی بہان میں ہاں ملائی جائے۔

”میں ایکٹنگ نہیں کر رہا ہوں۔“ حمید سمجھی گی سے بولا۔ ”ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ ابھی تک فریدی صاحب نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔“

جیلہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر اخما کر آہستہ سے گلوگیر آواز میں بولی۔

”میری زندگی بر باد کر کے تم لوگوں کو کیا ملے گا۔ والد صاحب کو سمجھا دو کہ مجھے وہ تمن لاکھ روپے نہیں چاہیں لیکن میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔“

”میں انہیں سمجھا دوں گا۔“ حمید نے سمجھی گی سے کہا۔

”کیا تم نے کبھی اور کبھی کسی ایسا یہاری کا نام سنا تھا جیسی مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔“

”کبھی نہیں۔“

”کیا تم نے بھی مجھے کسی رات کو دورے کی حالت میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔“

”ہرگز نہیں۔“ حمید نے سفید جھوٹ بولا۔

”تو پھر وہ سیاہی میری میز پر کس طرح گری تھی؟“ جیلہ نے حمید کو گھوڑ کر پوچھا۔

”میں کیا جانوں... میں نے فریدی صاحب کی زبانی سنا تھا۔“

”آخر انہیں ان باتوں سے کیا مل جائے گا۔ میں نے ساتھا کہ وہ مجبوروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر آخر میرے لئے کیوں اتنے تکبد بن گئے ہیں۔“

”میں انہیں سمجھادوں گا۔“ حمید جلدی سے بولا۔

ند جانے کیوں اسے اس سے کچھ کچھ ہمدردی سی ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ان معاملات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کیوں کہ وہ خود اسے دوبار دورے کی حالت میں دیکھے چکا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔

”میں نے سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا؟“ جیلے اٹھتی ہوئی بولی۔ ”آپ جو کچھ آپ کا غمیر گوارا کرے۔“

”آپ مطمئن رہئے۔“ حمید بھی مودہ بانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

جیلے چلی گئی اور وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن قلبازیاں کھانے لگا تھا۔ آخر اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ باپ کچھ بیٹی کچھ۔ دوسرا ہی بیٹی دماغ خراب کرنے کے لئے مہل اشعار باقاعدہ ہے اس نے بچپنی رات کو وہ مظہر بھی دیکھا تھا جب بیٹی نے باپ کے منہ پر تھپڑا سید کیا تھا اور وہ سب کیا تھا۔

وہ بے صبری سے فریدی کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ نہ آیا۔ اس دوران میں چائے بھی آئی لیکن نہ تو صولات مرزا کھائی دیا اور نہ فریدی..... برآمدے میں ایک آدھ بار تکلیف پر ضرور نظر پڑی۔ لیکن اس نے حمید کا کوئی نوش نہیں لیا۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا ابھتارہ۔ پھر برآمدے میں نکل آیا۔

رات ہوئی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حمید نے صولات مرزا سے پوچھا۔ لیکن اس نے لا علمی ظاہر کی۔ آخر حمید تھک ہار کر اپنے کمرے میں آگیا۔ حالانکہ جیلے سے اس کی گنگلو ہو چکی تھی۔ لیکن وہ رات کے تصوری سے لرز رہا تھا۔ کھانا کھاچنے کے بعد اس نے نہایت احتیاط سے کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے اور انتہائی گرمی کے باوجود بھی بند کرے میں سو گیا۔

کتبے کا سراغ

دوسرے دن فریدی ناشتے کی میز پر صولات مرزا سے کہہ رہا تھا۔

”آج ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔“

ناشہ پر اس وقت بھی تینوں تھے۔ حید چوک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ابھی تک اس سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ پہلی رات کو کہاں رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ اور.... صولت مرزا ناشہ ہی کر رہے تھے کہ وہ بھی آگئی تھا اور قبل اس کے کہ اس سے رات کی غیر حاضری کا سبب پوچھا جاتا اس نے آج کی روائی کا ذکر پھیڑ دیا۔

”تو کیا تم ہمیں اس مصیبت میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔“ صولت مرزا نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں آپ تی کیلئے ایسا کر رہا ہوں۔ فی الحال یہاں رہ کر میں آپ کے کسی کام نہ آسکوں گا۔“ فریدی نے چائے کی پیالی روک کر سگار سلاختے ہوئے کہا۔

صولت مرزا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

”رات کہاں رہ گئے تھے۔“

”خانے کے انچارج نے روک لیا تھا۔ الہدارات اس کے ساتھ بس کرنی پڑی۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے نہ اتنا مانا ہو گا۔“

”اس میں نہ ماننے کی کیا بات ہے۔“ صولت مرزا نے ٹکر مندانہ انداز میں کہا۔

”تو کس فرین سے جاؤ گے۔“

”تمن بجے والی سے۔“

اس ٹکلو کے علاوہ بقیر وقت میں خاموشی ہی رہی۔

ناشہ کے بعد فریدی اور حید عقبی پارک میں آئیں۔

”اب بتائیے کہ آپ رات کہاں تھے۔“ حید نے پوچھا۔

”ای پارک میں۔“

”یہاں.....!“ حید چوک کر بولا۔

”ہاں.....!“

”پھر.....!“

”نہ تو رات اس پر دورہ ہی پڑا اور نہ وہ بھوت دکھائی دیے۔“

”کل رات دو رہ نہیں پڑا....؟“ حید نے متھرانہ لمحے میں پوچھا۔
”نہیں۔“

”آخر کل کیوں نہیں پڑا۔“

”ند پڑا ہو گا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”تو پھر آپ کیا کرتے رہے۔“

”بھوتوں کا انتظار۔“

”واقعی آپ دیواں گی کی حد تک بخوبی پہنچ پہنچے ہیں۔“

فریدی سکرانے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”جانتے ہو وہ فونٹین پن کس کا تھا۔“

”یہی جانتا ہوتا تو لوگ ولی اللہ نہ کہتے۔“ حید بیزاری سے بولا۔ لیکن فریدی نے اس کے لمحے پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ ”وہ فونٹین پن جیلیہ کا تھا۔“

”اے....!“ حید تقریباً اچھل پڑا۔ ”کس سے معلوم ہوا۔“
”صولت مرزا سے۔“

”پھر اس نے آپ سے یہ بھی پوچھا ہو گا کہ وہ آپ کو ملا کہاں سے۔“

”یقیناً۔ یہ ایک قدر تی سوال تھا۔“ فریدی سکریا۔

”پھر آپ نے کیا کہا۔“

”ظاہر ہے کہ میں نے اسے حقیقت نہ بتائی ہو گی۔“

”آپ یک بیک شہر کے لئے کیوں تیار ہو گئے۔“

”اس کہتے کے چکر میں ہوں جس پر سے وہ اشعار نقل کئے گئے تھے۔“

”لا حول ولا قوّۃ۔“ حید منہ بنا کر بولا۔ ”میں آپ کو اتنا تاکبھ نہیں سمجھتا تھا۔“

”خیریت.... خیریت۔“ فریدی سکریا۔ ”تم ٹھکنڈ کب سے ہو گئے۔“

”میں کسی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔“ حید نے فریدی کے لمحے کی نقل اتاری اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

”جیو درشد اس راز سے ذرا ایچ مقدار کو بھی آگاہ فرمای کر رونے کا موقع دیجئے۔“

حید نے قلصیانہ انداز میں اُو کی طرح اپنے دیدے پھرائے اور جیل کی گنگلو بیان کر چلا اور پھر جب اس نے اس موقع پر یہ تصور کرتے ہوئے کہ فریدی کی آنکھیں چکنے لگی ہوں گی اس کی طرف دیکھا تو اس کا سارا جوش مختنہ اپنے گیا۔ فریدی کے پھرے سے کچھ اُنکی بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی جیسے وہ اب تک کسی ضدی پتے کی "ریس ریس اور نیس نیس" ستارا ہا ہو۔

"پھر کیا ہو۔" بند کے خاموش ہوتے ہی اس نے لاپرواں سے پوچھا۔

"میر اسر...!" حید سختا کر بولتا۔

"پھنا تو نہیں۔" فریدی نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ مجھے آؤ سمجھتے ہیں۔" حید نے چین کر کہا۔

"نہیں الہ سے بھی اوپنجی چیز۔" فریدی نے سمجھی گئی سے کہا۔ "آخر تم اس دیوانی لڑکی اور اس کی باتوں کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔"

"معلوم نہیں آپ کس چکر میں ہیں،" کیا سچتے ہیں۔"

"میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ لڑکی پچھ نہیں جانتی۔ حتیٰ کہ اسے اپنے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم۔"

"یہ کتنے عرصے کے تجربات کا نچوڑ ہے۔" حید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اخا! اب آپ بھی طنز فرمانے لگے... صاحبزادے ہو۔"

"شکریہ! میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ حرام زادہ ہوں۔"

"خیر فضول یا تمیں چھوڑو... ہمیں چلنے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

وہ دونوں انٹھ کر اس کرے میں پڑے آئے جہاں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ حید منتشر شدہ چیزیں اکٹھا کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گنگناٹا بھی جا رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وقتی ہی طور پر کسی اس بھوتو خانے سے نجات تولی رہی ہے۔

"تو آپ اس کتبے کو کہاں ٹالا ش کرتے پھریں گے۔" حید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

فریدی آرام کری پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ حید کے مخاطب کرنے پر انٹھ بیٹھا۔

"کیا پوچھا تھا تم نے۔"

حید نے اپنا سوال دہر لایا۔

"اس کے لئے زیادہ تکلیف نہ اخافی پڑے گی۔" فریدی نے انگرائی لے کر کہا۔ "صوات مرزا سے معلوم ہوا ہے کہ کھدائی کرنے والے یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز برآمد ہوئی تو وہ یونیورسٹی کے میوزیم میں ضرور موجود ہو گی۔"

"تو یقین کجھے کہ وہ کتبہ موجود نہ ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"اگرے صاحب یہ سب مل کر ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ مجھے تو ان کی کسی بات پر یقین نہیں آیا۔"

"امیکی بے یقینی بھی نجیک نہیں۔ خصوصاً ایک سراج رساں کے لئے۔"

"سراج رساں....؟" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "چھیسوں میں، میں خود کو قطعی سراج رساں نہیں سمجھتا۔ یہ سعادت تو کچھ آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہرے تکڑ کا پیدا رہی تھیں۔

"لیکن یہ تو بتائیے۔" حمید پھر بولا۔ "وہ کتبہ تخلیلہ کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔"

"کھدائی کرنے والوں نے صوات مرزا ہی کے گھر قیام کیا تھا۔"

"اوہ تو.... بہر حال صوات مرزا وغیرہ نے آپ کو اچھی طرح جکڑ لیا ہے۔"

"اچھا سنو....؟" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اب ہم ان معاملات کے متعلق قطعی کوئی بات نہ کریں گے۔"

حمدی اسے ممکنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

اس کیس میں کچھ اس قسم کے الجھادے پیدا ہو گئے تھے کہ حمید نے اس کی طرف سے اپنے ذہن کو بے تعلق کر لینے ہی میں بھلائی دیکھی۔ اس کا خیال تھا کہ صوات مرزا وغیرہ انہیں کسی چال میں چھاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن فریدی اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حالانکہ فی الحال اس کے پاس اپنے نظریے کی پختگی کے ثبوت میں کافی دلائل نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا ان لوگوں کو اپنا آلہ کار بنانے ہوئے ہے۔

حمدی سوچ رہا تھا کہ اگر جیلے ان واقعات سے بے تعلق ہے تو پھر اس کا قاؤنٹین پن میں یہ دراج

گزہ میں کس طرح پہنچا اور پھر خلاف معقول چھپلی رات کو اس پر دورہ کیوں نہیں پڑا۔ وہ ارسلانوس کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ محض اس لئے کہ یہ ثابت کرنے کیلئے ایڈی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تحت عقرب یہ راج گزہ میں موجود نہیں ہے تو کیا ان سب شیطانی حرکتوں میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ ہو سکتا ہے بھی بات ہو کیونکہ اس کے اور صولت مرزا کے تعلقات اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ دونوں ملتے ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان میں کوئی تاخوٹوار سا جذبہ حائل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار ارسلانوس نے اس کی برائیاں بھی توبیان کی تھیں اور جیلہ کی حرکات کو محض ڈھونگ قرار دیا تھا کہ گھروالوں پر اس کا رب قائم رہے۔ اس کے برخلاف جیلہ اس بات کی شایکی ہے کہ اس کے گھروالے اسے بدنام کر کے شادی سے روکنا چاہتے ہیں۔ جیلہ نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو ان واقعات کی طرف سے ہٹالے۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ یہ راج گلر سے روائی کے وقت اس کا دماغ بڑی طرح پک رہا تھا اور چہرے پر گہرے گھر کے آثار تھے۔ لیکن اس کے برخلاف فریدی بالکل ہی سیدھے سادھے مودع میں تھا۔۔۔۔ روائی سے قبل اس نے صولت مرزا سے الوداعی ملاقات اس طرح کی جیسے وہ اب تک ان کے یہاں محض سیر و تفریح کرتا اور دعویٰ میں اڑاتا رہا ہو۔ جیلہ نے اس وقت ایک بات اور بھی محسوس کی کہ جیلہ خلاف عادت بہت زیادہ بشاش نظر آرہی تھی اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر وہی آثار تھے، جو کسی مہمان کو رخصت کرتے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصاً صولت مرزا بہت زیادہ پریشان اور اوس معلوم ہو رہا تھا۔

جیلہ انہیں اشیش سک چھوڑنے کے لئے آئی۔ صولت مرزا بھی آرہا تھا لیکن فریدی نے روک دیا۔

گاڑی پندرہ یا میں منٹ لیت تھی جیلہ کو اس وقت سخت حرمت ہو رہی تھی کہ فریدی نے جیلہ سے سوائے چند رکی باتوں کے اور کوئی بات نہ کی۔ آخر کیوں؟ جیلہ کا خیال تھا کہ جیلہ اس ڈرے کی ناص کردار ہے لیکن فریدی اسے نہی طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اسے تھا پاتے ہی اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا۔ اس دوران میں فریدی کسی کام سے ان کے پاس سے ہٹ گیا اور جیلہ جیلہ سے بولی۔

”میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ لیکن آپ نے ان باتوں کا تذکرہ والد صاحب سے تو نہیں کیا۔“

"نہیں نہیں.... میں اتنا کبھی تو نہیں ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"مگر یہ..... وہ آہستہ سے بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔ "میں ایک بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں۔ کبھی کبھی میرا دل مجھے بغاوت پر ابھارتا ہے۔ لیکن پھر افسوس ہوتا ہے۔ میں ہر وقت کسی نہ کسی ذہنی کلکش میں بھارتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے منہ سے ایسی باتیں بھی نکل جاتی ہیں جو مجھے نہ کہنی چاہئیں۔"

"ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ اس کی کبھی میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

"آپ نے فریدی صاحب سے اس کا تذکرہ ضرورتی کیا ہو گا۔" جیلے نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ورنہ پھر بات ہی کیا رہ جاتی۔ میں نے بس کسی طرح انہیں واپس چلنے پر راضی کر لیا۔"

جیلے نے سر جھکایا اور پھر جب اس نے نظریں انھائیں تو حمید نے اس کے چہرے پر ندامت کے آہاد دیکھے۔ سارا تکھاپن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بجائے اس کے چہرے پر ایک غم آلو دز نہ مہٹ پھیل گئی تھی اور آنکھیں کسی گھری سوچ اور پر سکون جھیل کی طرح میں اور طہانیت بخش نظر آنے لگی تھیں۔ پھر حمید دوسرے ہی لمحے میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبیل اس سے خائف تھا۔ اسے وہ پہ اسرار بہوت بھی نہ یاد رہ گئے۔ اس نے اس تھپٹر کو بھی فراموش کر دیا ہے ایک بیٹی نے اپنے باپ کے منہ پر رسید کیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا وہ یہ کہ جیلے غیر معمولی حسن کی مالک ہے۔ کسی بڑے آرٹ کا ایک اچھوڑا خیال۔

شہر پہنچنے پہنچنے رات ہو گئی اور فریدی کو اس کتبے کے متعلق چھان میں ملوٹی کر دینی پڑی۔

حمدید بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے زیادہ دیر تک نہ جاگ سکا۔ لیکن رات میں جب بھی اس کی آنکھیں کلکیں اس نے فریدی کی لا بہری میں روشنی دیکھی۔

دوسرے دن صبح اسے تو کروں سے معلوم ہوا کہ فریدی رات پھر لا بہری ہی میں رہا اور اس وقت وہ ایک آرام کری پڑا اسورہ تھا۔ حمید نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر سونے کا تجھی کرچکا ہے اتنی ہی دیر سونے گا۔ اس نے نہ جانے کس طرح یہ عادت ڈال لی

تمی۔ یہ چیز کسی عام آدمی کے بس کاروگ نہیں۔ اچھے اجھے با اصول حرم کے لوگ بھی نیند پر قابو نہیں پاتے۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ جتنی دیر بعد جائے گانے کا تہیہ کر لیتا اس سے ایک منٹ بھی اوہ را درست ہوتا۔ وہ اکثر حمید سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کی قوت ارادی کا ایک اونٹی کرشمہ ہے۔ قوت ارادی کی تربیت انسان کو کسی چیز کی پابند نہیں بناسکتی۔ خواہ وہ موت تھی کیوں نہ ہو اور حمید کو چیز اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نہیں سینکڑوں بار فریدی کو موت کے منہ سے فتح نکلتے دیکھا تھا۔

آنٹھ بجے فریدی سوکر اٹھا لیکن وہ بہت خاموش خاموش تھا۔ چہرے پر گہرے ٹھنڈر کے آثار تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ ناشتے کے دوران میں اس نے بہت کم گفتگو کی۔ وہ بھی اس کیس یا زیر تفیض کتبے کے متعلق نہیں تھی۔

دوس بجے وہ دفتر کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی دیر تک دفتر میں بیٹھا۔ اس نے صرف حاضری بتائی۔ دو ایک کاغذات دیکھے اور پھر انٹھ کر کہیں چلا گیا۔ حمید نے شام چار بجے تک اس کا انتظار کیا۔ لیکن وہ جب واپس نہ آیا تو مجبوراً اسے تیکسی ہی پر گھرو واپس ہونا پڑا کوئہ فریدی اپنی کار ساتھ لے گیا تھا۔

وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ حمید مسلسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے کہ فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ برابر کے کمرے میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا۔ فریدی کا مخاطب ایک او جیز عمر کا بھاری بھر کم آدمی تھا جس کا سر اٹھے کے چھلکے کی طرح صاف اور چلا جبرا اتنا بھاری تھا کہ غیر مناسب معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ نہ جانے ان میں کیا بات تھی کہ حمید کوہا تھی کی آنکھیں یاد آگئیں۔ سفید قمیش اور پتلون میں وہ بڑا بارع معلوم ہو رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کی مخوزی کچھ اس انداز سے مل رہی تھی کہ حمید کا ذہن ایک ایسے بھیڑیے کے تصور سے خالی نہ رہ سکا جو اپنے شکار کی بوٹیاں فوج رہا ہو۔ فریدی اسے ساتھ لے کر اپنے عباتات کے کمرے میں چلا گیا۔

حمدید متین تھا کہ وہ کون ہے۔ اس نے اسے کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین تھا کہ اس نے اسے فریدی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ عباتات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فریدی اس نووارد کو بعض قدمیں اور تاریخی چیزیں دیکھا دیکھا کر ان پر

تبہر کر رہا تھا۔

حید نے دیکھا کہ نووارد بھی کبھی اپنے ہار خیال کر رہا تھا۔ وہ ہر چیز کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حید نے محسوس کیا کہ فریدی اسے خاص طور پر قدیم کتبوں اور مخطوطات کے نمونے دکھا رہا ہے۔

”میں ان چیزوں پر عاشق ہوں۔“ فریدی نے اسے کہا۔ ”اور جہاں کہیں بھی مجھے کوئی پڑانا کہتے دکھائی دیتا ہے اسے خرید لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیتا ہوں۔“

”اچھا شوق ہے۔“ نووارد نے سر ہلا کر کہا۔ ”خیر میری تو عمر ہی اس دشت کی سیاہی میں گزری ہے لیکن اتنے نمونے خود میرے پاس بھی نہیں ہیں۔“

”خیر بہر حال۔“ فریدی اسے سگار پیش کرتا ہوا بولا۔ ”مجھے امید ہے کہ ایک مشترک شوق رکھنے کی بنا پر ایک دوسرے سے آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔“

”ضرور ضرور....!“ نووارد مسکرا کر بولا۔ ”یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔“

دوسرے والے کی طرف آرہے تھے۔ اسلئے حید سامنے سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی اسے رخصت کرنے کے لئے چھالک تک آیا۔

تحوڑی دیر بعد وہ حید سے کہہ رہا تھا۔

”تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کے سامنے نہیں آئے۔“

”کیوں....؟ وہ کون تھا۔“

”یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا صدر رڈاکٹر جھنناگر۔“

”تو آپ اسی کتبے کے چکر میں ہیں۔“

”ہاں ایدھ گڑھی کی کھدائی اسی کی مگر انی میں ہوئی تھی۔“

”وہ کتبہ....!“

”یونیورسٹی کے میوزیم میں موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر جھنناگر کا کہنا یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی کتبہ برآمد نہیں ہوا۔“

”وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا....!“ حید مسکرا کر بولا۔

"تم غلط جانتے تھے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تمہری دیر بعد کھڑکی کے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کھاتا ہے پول میں کھائیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔" حمید سے معنی خیز نظرؤں سے دیکھنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کوئی خاص بات ہی ہو جائے۔ جلدی کرو۔"

"دوڑھوپ نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "یہ بھی سے بتائے دیتا ہوں کہ ایک آدم راؤٹر مبارکے بھی ہوں گے۔"

"چلو چلو....!" فریدی بیزاری سے بولا۔

حمدیک ایک فلمی گیت کا تاہو اور سرے کرے میں جانے لگا۔

"خہرو...!..." فریدی نے کہا۔

حمدی رک گیا۔

"آئندہ اس قسم کے گیت نہیں گاؤ گے۔"

"خدا کی قسم آپ نے میری زندگی تبلیح کر رکھی ہے۔"

"بکومت... جاؤ...!"

بُرے چھنسے

میں پول ہونل میں خاصی رونق تھی۔ آنھنج چکے تھے۔ ڈرائینگ ہال میں بھی بال روم کی موسیقی سنائی دے رہی تھی لیکن ابھی شاید رقص نہیں شروع ہوا تھا۔ حمید نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں دانت کلکھنے اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کاؤنٹر پر آج کوئی دوسری کلرک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اسے یہاں نہیں دیکھا تھا۔

"یہ کوئی نئی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہیںوں کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید پہل تو رہا تھا اس کے چیپے.... لیکن ذہن بال روم کی موسیقی میں الجھا ہوا تھا۔

فریدی نے ایک کیبن کا پر دہنلا لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک کر بچپے ہٹ گیا۔ پر دہ بدستور ہٹا ہوا تھا۔ فریدی کے چونکنے پر حمید نے بھی اندر کی طرف دیکھا۔ دائبے کنارے پر رکھی ہوئی کرسی پر ایک آدمی بیٹھا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں چھلی ہوئی تھیں اور ہوتھ ذرا سے کھل گئے تھے۔

”آپ کی تعریف...!“ حمید نے تخران انداز میں فریدی سے پوچھا۔
فریدی پر خیال انداز میں اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر بھجن کے آثار محسوس کئے۔
”میباہات ہے۔“

”پچھے نہیں! تم یہیں اسی جگہ نہیں۔“ فریدی نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیلی فون کا رسیور اٹھا کر نمبر ملانے اور بولنے لگا۔

”بیلو... کو تو والی... کون... جگد لیش کو بلاو۔“ تھوڑی دری خاموش رہنے کے بعد بولا۔
”جگد لیش! میں فریدی بول رہا ہوں۔ میں پول ہوٹل کے کیبن نمبر چودہ میں ایک لاش ملی ہے.... فوراً آؤ۔“

لاش کا ہام سن کر قریب بیٹھی ہوئی لڑکی اچھل پڑی۔

”چپ چپ! ہلٹ مت مچاتا۔“ فریدی نے اس سے آہستہ کہا۔ ”میں پولیس کا آدمی ہوں۔“
کلر ک نری طرح بدھواں ہو گئی تھی۔ بار بار اس کی نظریں کیبن نمبر چودہ کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

”جب تک پولیس نہ آجائے تم یہاں کسی سے پچھے نہیں کہو گی۔“ فریدی نے اس سے کہا اور پھر کیبن کے قریب لوٹ آیا۔

”آخر بات کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”لاش...!“

”کہاں لاش...!“

”آہستہ بولو! اندر۔“ اس نے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

”اوے... تو... تو...!“

"شامت.... میں جا رہا ہوں۔"

"نمہر و.... اس کی موت غیر متوقع ضرور ہے لیکن وہ خود....!"

"لیکن آپ اسے جانتے ہیں۔"

"ہاں.... وہ اس کتبے سے واقع تھا۔"

"ارے.... تو.... اس کا یہ مطلب....!"

"ہاں میں اسی سے ملنے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"کس طرح.... کیے۔"

"پھر بتاؤں گا۔ جکد لیش و فیرہ شاید اب آہی رہے ہوں گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" حمید بحسنا لیا۔ "جہاں کسی معاملے میں ہاتھ دیا.... کشت و خون شروع ہو گیا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر کہیں کے اندر چلا گیا۔ حمید باہر ٹھیک نہیں اور ہد وس پندرہ منٹ کے بعد پولیس کی لاری سے پول ہوٹل کے سامنے رکی۔ انکھیں جکد لیش دو تین کاشیلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بڑے ناخنکوار ٹھیم کے تاثرات پائے جا رہے تھے۔ شاید وہ اس حدادی کی غیر متوقع اطلاع پر دل ہی دل میں بیچ و تاب کھارا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی جو کہیں نہ پر چودہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمید نے سکرا کر اسے آنکھ ماری اور وہ تجزیت قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

"کہیے؟ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"اوپر نیجر کے کمرے میں۔" حمید نے کہا اور پھر کہیں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ترقی کا ایک اور موقع۔"

"چھوڑیے بھی! میں تو اب عاجز آگیا ہوں۔" جکد لیش نے منہ بنا کر کہا اور پرداہ اٹھا کر کہیں کے اندر چلا گیا۔ اس کے پیچے ہوٹل کا نیجر اور فریدی بھی پیچ گئے۔ حمید کی ذیوقی کاشیلوں نے سنبھال لی اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

مرنے والا بھی تک اسی حالت میں بیٹھا تھا۔ اس کی سکھی ہوئی آنکھوں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے مرنے سے قبل اسے کسی گہرے تحریر میں ڈوبنا پڑا ہوا اور اسی

حالت میں اس کی صوت حلقہ ہو گئی ہو۔

” غالباً آپ اس وقت بہت نیلا ہے۔“ خوفل ہوں گے۔ ”فریدی نے تھیس سے گیلا جو جہت نیلا ہے۔“
کبھر الما ہوا اندر آپ ہاتھ دو اس کا مطلب کچھ کہا جائے گا۔
”میں بیال کھلانے کی خوشی سے آیا تھا۔“ فریدی نے تھیڈ لش سے کیلا۔ ”القا قا ای کھین
کی طرف گھوم چڑا۔“

”لیکن یہ مر اکیسے۔“ تھیڈ نے پر تشویش لجھے میں کہا۔
”بھی میں اس کے ساتھ تو تھا نہیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”یہ بات پوسٹ مارٹم
کے ذریعہ معلوم ہی ہو جائے گی۔“

”تو میں یہاں اس کے متعلق تفییش شروع کر دوں اور رپورٹ میں یہ لکھ دوں کہ لاش کی
اطلاع مجھے آپ سے ملی تھی۔“

”ضرور..... ضرور.....!“

تجھے کچھ اپنے کہا جاتا ہے۔ لیکن فریدی نے اس کا
موقع ہی نہ دیا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کے باہر نکل آیا۔

”کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ قتل ہے یا خود کشی۔“ حمید نے کہا۔ ”فطری موت..... یا قوم نظر کی
شاعری حرم کی کوئی ہاتھ بہت..... آخرا سے کیا سمجھا جائے۔“

”قتل.....!“

”لیکن قتل کا طریقہ سمجھنے آیا۔“ حمید نے کہا۔ ”اوہ شاید یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے اتنے
پر اسرار قتل میں کوئی دلچسپی نہیں۔“

”طریقہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ قتل کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ مرنے والے کا صورت آشنا بھی پہلے ہی
سے تھا۔“

”اوہ پھر بھی آپ اسے اتنی لاپرواں سے ٹال گئے۔ آخر دہ تھا کون؟“

”یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا ایک پچھرا..... آثار قدیمہ کی چھان بننے والی پارٹی کا
ایک رکن۔“

"تمل کی وجہ کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"وہ مجھے اس کتبے کے متعلق اہم بات بتانے والا تھا۔"

فریدی نے ہاتھ اختا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور پھر وہ اس میں بنیخ کر آر لیپو کی طرف روانہ ہو گئے۔

"لیکن آپ نے جلدیش سے یہ باتیں کیوں چھپائیں۔" حمید بولا۔

"اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال قائل ہر وقت ہماری مشنی میں ہے۔"

"میں....؟" حمید چونک کر بولا۔ "آپ قائل سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعاً....؟"

"تو اسے پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے۔"

"وہ وہ سرا آدمی آپ کو کہاں مل گیا تھا۔"

"وہیں یونیورسٹی کے تواریخی عجائب گانے میں۔" فریدی نے سارے لگاتے ہوئے کہا۔ "وہ

اس وقت وہیں موجود تھا جب میں ڈاکٹر بھٹناگر سے اس کتبے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر سارے کش لینے لگا۔

"پھر....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ڈاکٹر بھٹناگر کو اپنے شوق کے متعلق بتایا اور اسے دعوت دی کہ وہ کسی دن میرے جمع کئے ہوئے نہ نہیں بھی دیکھے اور وہ اسی وقت اس کے لئے تیار ہو گیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بولا۔ "جب ہم دونوں

باہر آ رہے تھے مر نے دالے نے پیچھے سے ایک چھوٹا سا پرچہ مجھے تھا دیا۔"

"اور اسی پرچے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آپ اس سے مئے پول ہوئیں میں ملیں۔" حمید نے کہا۔

"اف فو... یاد کچھ تم بڑے ذہین ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"میں آپ اس وقت یہ نہیں سمجھے تھے کہ بھٹناگر کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہے۔"

"حیثیت میں دھوکا گھا گیا۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کتبے کے راز سے ڈاکٹر بھٹناگر کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی

واقف ہیں۔"

"یقیناً...!" فریدی نے کہا۔ "شاید تم اس بات سے نہیں واقف کہ آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی اس پارٹی کا واحد مشغل دینوں کی تلاش ہے۔ آثار قدیمہ کی چھان بین تو محض ایک بہانہ ہے۔"

"اوہ! لیکن آپ کی یہ ساری معلومات نئی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"محبک ہے! پہلے محض شہر تھا لیکن اب یقین ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور کھڑکی پر ہاتھ لیکر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہرے یہ جیسی کدھر جا رہی ہے۔" دفلتا وہ چوک کر سیدھا ہو گیا۔ حید بھی ادھر اور ڈیکھنے لگا۔ وہ دراصل باتوں میں اس درجہ محو ہو گئے تھے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں رہا کہ وہ کہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے اور جیسی کدھر جا رہی ہے۔ اچانک ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں کوئی چیز چکی اور وہ ان کی طرف مزکر بیٹھ گیا۔ اعشار یہ تین آنھ کاریو الور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پہلے وہ دونوں اسے کلیز سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کی پوشش کچھ اس قسم کی تھی۔ اب انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، جو حد درجہ خوفناک تھا اور چکلی آنکھوں سے سفاکی ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی ایک تنگ مسکراہٹ کے ساتھ سیٹ کی پشت سے نک گیا۔

جیسی شہر کے باہر ایک دریانہ سڑک پر کھڑی کر دی گئی۔

"باہر آؤ...!" ریو الور والا گرج کر بولا۔

حید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ دبادیا۔

دونوں چپ چاپ نیچے اتر آئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" ریو الور والے نے ڈرائیور سے کہا اور فریدی اور حید نے اپنے ہاتھ اور پر

انٹھادیے، اتفاق سے اس وقت ان دونوں میں سے کسی کے پاس ریو الور نہیں تھا۔

"کوئی خطرناک چیز...!" ریو الور والے نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان کی جامد تلاشی لے کر

الگ ہٹ گیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

”چلو مجھو...“ اس نے ریو اور کی بیال سے تیکسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
 ”کہا تو مجھے جو مل...“ فریدی تیکسی پر بینچتا ہوا بیال۔
 ریو اور والے کے ہوشیار لیکن ہر لفٹی مکمل ایسا۔
 تیکسی پر جعل چڑی۔

”میں کہتا ہوں... آرڈنگھو جو مل! کیا تم یہرے ہو گئے ہو۔“ فریدی قدما سجد کا شکست
 بھجوڑتے ہوئے بیال۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو۔“ ریو اور والے نے آہستہ سے کہا۔
 ”چپ چاپ جس پیارے بھائی۔“ حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”بھوک کے مارے آواز
 ہی نہیں نکل رہی ہے ورنہ اس وقت تمہیں شیام کلیان نہ۔ مر کے کی چیز ہے۔“
 ”ڈر ایمور...“ فریدی چینا۔

”جانے بھی دیجئے۔“ حمید اس کا شانہ چکلتا ہوا بولا۔ ”اگر بے چارے کے کان کے پردے
 پھٹ گئے تو اس کے بال بچوں کے حلق پھٹ جائیں گے۔“
 ”تم ہو کون۔“ فریدی نے تلخ لبجھ میں کہا۔ ”میں میں تم سے ہر گز یہ نہ پوچھوں گا کہ تم نے
 یہ سب کس لئے کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ ریو اور والہ مکرا کر بولا۔ ”جنہی بہادری چاہو دکھاو... پھر موقع نہ ملے گا۔“
 ”کیا سمجھے۔“ حمید نے فریدی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”بھائی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔
 ہمارے کھانے پینے کا انظام پہلے ہی کر لیا ہو گا۔“

”ضرور ضرور...!“ ریو اور والہ مکرا کر بولا اور پھر ریو اور کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔
 ”اس خدا کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”بہت کم لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”ویسے چیز شاندار ہے... ذرا وسنا تو۔“
 ”چیچے ہو...!“ ریو اور والہ درشت لبجھ میں بولا۔

”بڑے بھائی نہ امان گئے۔“ حمید نے بچوں کی طرح منہ بنا کر پوچھا۔
 فریدی انجامی بے تعلقانہ انداز میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا چیزے وہ اس
 ریو اور کو نظری سمجھتا ہو۔ ایک جگہ تیکسی پھر رکی اور ان سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ حمید اٹھنے کی رہا تھا

کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبادیا اور وہ پھر بینے گیا۔ تیکی اب بھی ایک دیرانے میں کھڑی ہوئی تھی اور نہ جانے کو ہر سے دو تین آدمی اور آگئے۔

”سمجھ کر باہر نکال لو۔“ ریو اور والا گرد۔

دوسرے آدمیوں نے تیکی کو چاروں طرف سے ٹھیکر لیا۔ ڈرائیور ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید کو تو انہوں نے جلد ہی باہر سمجھ لیا لیکن فریدی ابھی تک ازا بیٹھا تھا۔ تین تین آدمی اسے سمجھ رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ سے جگش نہیں کر رہا تھا۔ شامت اتناں ان میں سے ایک نے اس کے منہ پر گھونسamar۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی گردن فریدی کے پاتھ میں تھی اور وہ دروازوں کے پاؤں میں دبے ہوئے کتے کی طرح جیخ رہا تھا۔

”میں جس کہتا ہوں گوئی مار دوں گا۔“ ریو اور والے نے باہر سے کہا۔

”ابے تو اس میں کہنے سننے کی کیا بات ہے۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔ ”مار بھی دے۔“

”سکا سکا کر مار دوں گا۔“ اس نے جواب دیا۔

”خیر معلوم ہوا کہ تم بھی اپنے دن پورے کر چکے ہو۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔

”ش اپ ...!“

”یو ش اپ ڈرٹی ڈاگ ...!“ حمید حلق کے مل چکا۔

ریو اور والے نے حمید کے منہ پر اتنا ہاتھ رسید کر دیا۔ حالانکہ حمید دو گراٹیل آدمیوں کی گرفت میں نہی طرح جکڑا ہوا تھا لیکن ریو اور والے کا تھپٹ پڑتے ہی گویا اس کے جسم میں بجلیاں کوئند گئیں اور یک لخت اس طرح تڑپا کر وہ دونوں اسے نہ سنبھال سکے۔ ساتھ ریو اور والا بھی زمین پر آرہا۔ حمید نے بس اتنا محسوس کیا کہ اس پر بھی کوئی جھپٹ پڑا۔

”خبردار ...!“ فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو اور تم ڈرائیور کے

پیچے باہر نکلو ... نکلو ...!“

”تھرا ...!“ حمید کی لکار دوڑنک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

”حمدیہ تیکی اشارت کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوت کر دوں گا۔ ہاتھ اٹھائے رکھو۔“

حمدیہ چل کر ڈرائیور کی سیٹ پر چاہیٹا۔ فریدی ان آدمیوں کی طرف ریو اور کی نال کئے

ہوئے آہستہ آہستہ تیکسی کی طرف بڑھتی رہا تھا کہ اچانک کسی طرف سے قاتر ہونے شروع ہو گئے۔

فریدی جھپٹ کر تیکسی کی آڑ میں ہو گیا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے بھی شعلے نکلنے لگے۔

"حمدید.... نکل چلو۔" فریدی نے جیج کر کہا اور تیکسی چل پڑی۔ حمید نے تیکسی بڑی پھرتی سے گھماٹی تھی اور اب اسے اچھی خاصی رفتار سے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک طویل سڑک تھی اور کافنوں میں گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

تحوڑی دور چل کر اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی اور بے اختیار اچل پڑا۔ اگر فوراً یہ اسٹینرگ نہ سنیاں لیتا تو ایک درخت سے گاڑی ضرور لکر اجاتی۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے بوکھلا کر تیکسی روک دی۔ آخر فریدی کہاں گیا، کیا وہ بدحواسی میں اسے دیں چھوڑ آیا۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہ سب نہ دیکھا کہ فریدی بھی بیٹھے چکا ہے یا نہیں۔ اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھوٹ لے۔

وہ تیکسی سے اتر آیا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہ دور اسے کسی کار کی ہیئت لا بیٹھ دکھائی دیں۔ دھلتا ایک سوال تیزی سے اس کے ذہن میں گونج اٹھا۔ کیا وہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں اور پھر دوسرے یہ لمحے میں جھپٹ کر وہ جہازیوں کے پیچھے چاپ کا تھا۔ اس کا اندازہ صحیح لکھا۔ کار تیکسی کے قریب آ کر رک گئی۔ کئی آدمی اتر کر خالی تیکسی کا جائزہ لینے لگے۔

"ٹالش کرو۔" ان میں سے ایک چینا۔ "جہازیوں میں گھسو۔"

حمدید بھجوں کے مل نشیب میں دوڑنے لگا۔ چاروں طرف تار کی پچھلی ہوئی تھی۔ جیھنگر دوں اور مینڈ کوں کی آوازیں سانٹے کو جھینجھوڑ رہی تھیں۔ اچانک حمید کا پیر پانی میں پڑا اور وہ لا محدود گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

آگ

دوسرے دن صبح حمید اپنی پنگ پر پڑا رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اسے اپنی بھجن کا وہ

لہ اچھی طرح یاد تھا جب وہ نادانسکی میں ایک گہرے تالاب میں جا گرا تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے تیر نہ آتا ہوتا تو اس کا کیا خشر ہوتا اور اگر اسے اس درخت کی شاخ نہ مل جاتی تو وہ کنارے ہی پہنچ کر ڈوب گیا ہوتا۔ وہ بھی دلدل میں کمر تھک تو یونہی دھنس کیا تھا۔ کتنی خوفناک دلدل تھی جس کے سہارے وہ پھر سے دنیا دیکھے سکا۔ ورنہ نہ کہیں جنازہ المحتشان کہیں مزار ہوتا اور احباب پھرے پلاو کے لئے مند دیکھے کر رہے جاتے۔

فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ کیا ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا؟ حمید خود کو نظریں کر رہا تھا۔ اس نے شروع ہی سے اپنا اطمینان کیوں نہیں کر لیا تھا۔ اگر اسے اس وقت یہ معلوم ہو گیا ہوتا کہ فریدی تھیسی میں نہیں بیٹھے سکا تو کبھی اس طرح نہ بھاگتا۔

اس کے خیالات کی رو اچاک یہ راج گڑھی کی طرف مزگتی اور اسے فریدی کے قول کی صداقت پر کچھ کچھ یقین آنے لگا۔ اس پر اسرار کتبے کی جس پر مہمل اشعار لکھے ہوئے تھے اہمیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کتبے کے لئے شبہ تو اخ کے ایک پتھر ادا کا قتل ہو گیا۔ اسے اور فریدی کو پکلانے کی کوشش کی گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حقیقتاً تخت عقرب یعنی کسی حرث اگنیز تخت کا وجود ہے۔ پھر اسے وہ مہمل اشعار یاد آگئے اور ساتھ ہی بھی آگئی۔ اس مصرع پر تو اس کا دماغ ہی چل انکار۔

بچھو پر انو بیٹھے گا

اور اس نے انہیں اوزان میں مصرع فٹ کرنے شروع کر دیئے

انو پر گدھا بیٹھے گا

گدھے پر مرغی بیٹھے گی

مرغی پر لمبی بیٹھے گی

لمبی گنگروں کوں بولے گی

وہ فصل خانے سے آکر ناشتے کی میز پر بیٹھے گیا۔ لیکن اس وقت اس کا دل کسی بات میں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا کہ فریدی پر کیا گزری ہو گی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ صحیح کا اخیار دیکھنے کے لئے لا بہریری کی طرف جا رہی رہا تھا کہ نو کرنے ایک تار لا کر اسے دیل۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور لفاف چاک کرتے کرتے اس کے ذہن نے لا تحداد سوال

رہا۔ تار فریدی کے نام تھا۔ لیکن تار دینے والے کا نام پڑھ کر حمید کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ پچھے لگا کہ اب کیا مصیبت آگئی۔ اس نے ایک بار پھر تار کا مضمون پڑھا۔

”فوراً آؤ۔۔۔ ایک نئی مصیبت۔۔۔ صولت مرزا۔۔۔؟“

حمد سوپنے لگا کہ یہ نئی مصیبت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا وہ بھوت جیل کو اٹھانے گئے۔ لیکن بچھلی اس کے واقعات کے بعد سے وہ انہیں بھوت شکختے پر پس و پیش کر رہا تھا اور پھر ان مکمل اشعار میں بھی تو کسی فشارے کا ذکر تھا۔ ان بھوت توں کو بھی کسی فشارے کی علاش تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی کم از کم جیل کی بیماری کا معاملہ اس کی سمجھتے سے باہر تھا۔ لیکن فریدی اسے ایک قسم کی بیماری ہی قرار دے رہا تھا۔ خیر چلنے بیماری ہی سکی۔ لیکن وہ کتنا جو یہ راج گزر میں سیکھلوں سال سے روتا چلا آ رہا ہے اور عموماً بارش ہی کے زمانے میں روتا ہے اور جب بھی روتا ہے قریب کی ندی میں انتاز بردست سیالب آتا ہے کہ کنارے بے ہوئے گاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ آخر کوئی منطق اس کا جواز کس طرح پیش کرے گا۔ اسے کس طرح انسانی کارنامہ قرار دے گا۔

کچھ دیر قبل حمید ان سارے معاملات سے بُری طرح بیزار تھا اور کسی ان کسی طرح اپنی جان بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا اس کی کامی کے لئے سم قائل ثابت ہوا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ یہ راج گزر ہی کے واقعات کے سلسلے میں غائب ہوا ہے۔ لہذا اب وہ اس معاملے کو کسی طرح نہیں نال سکتا تھا۔ خواہ خود اس کی جان ہی کو خطرہ کیوں نہ ہو۔

اس نے فوراً ایک ملازم کو تار کا جواب لکھ کر دیا اور خود نیلی فون پر دفتر کے کسی آدمی سے گفتگو کرنے لگا۔

صلوت مرزا کو وہ اپنی روائی کے متعلق تار دے چکا تھا۔ اگر فریدی کا خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس معاملے میں بہت زیادہ وچھپی لے رہا ہے اور اسی لئے شاید اس پر کوئی اچاک مصیبت ناٹھی ہوئی ہے اگر وہ یہ راج گزرنہ کیا تو ممکن ہے کہ اس کے لئے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی بچھپی جاں میں پھنس گیا ہو۔

ای رات کو وہ یہ راج گزر بچھ گیا۔ صولت مرزا بذات خود ایشیان پر موجود تھا۔ لیکن بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”فریدی نہیں آئے۔“ اس نے سب سے پہلے سوال کیا۔

”وہ پھر بتاؤں گا.... آپ یہ بتائیے کہ بات کیا ہے۔“

”آؤ چلو باہر گاڑی کھڑی ہے بتاؤں گا.... عجیب حرم کی مصیتیں مازل ہو رہی ہیں۔“
وہ دونوں اشیخن کے باہر آکر کار میں بیٹھے گئے۔

”کل رات کو اصلی میں آگ لگ گئی تھی۔“ صولت مرزا نے کہا۔
”کس طرح۔“

”خدا بہتر جانتا ہے جیلہ نبی طرح جل گئی ہے۔ خدا اس کے حال پر رحم کرے۔“

”جل گئیں....!“ حمید چونکہ کہ بولا۔ ”وہ کس طرح جل گئیں۔“

”چھلی رات کو پھر اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ پہر اسرار آدمی پھر دکھائی دیئے تھے۔“
”اوہ....!“

”وہ اسے پہلے کی طرح اصلی میں لے گئے اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اصلی میں آگ لگ گئی۔ بدقت تمام جیلہ کو اندر سے نکالا جاسکا۔ وہ تو کوئی کسی گھوڑے کے ہجروں ملے روندی نہیں گئی۔“

”اور وہ آدمی....!“ حمید نے بے تابند انداز میں پوچھا۔

”وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔“

حمد سوچ میں پڑ گیا.... پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اس کے علاوہ کوئی اور بات۔“

”اور کچھ نہیں۔“

گھر پہنچ کر حمید نے جیلہ کو دیکھا جو واقعی نبی طرح جل گئی تھی۔ اس کا سارا جسم بخوبی سے ذکا ہوا تھا لیکن اس کا سارا چہروں قطعی محفوظ تھا۔ تن چار نر سیسیں اس کرے میں موجود تھیں اور پورے گھر پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

کھانا کھایلنے کے بعد حمید صولت مرزا کو ساتھ لے کر اصلی کی طرف گیا جواب را کہ کا ذہیر معلوم ہو رہا تھا۔ کہیں ادھ جلی دیواریں کھڑی تھیں جن کی جزوں تک سیاہی دوڑ گئی تھی۔

”دہاں سے لوٹ کر وہ تمباکو نوٹی کے کرے میں آبیٹھے۔“

”ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس نے تو کافی اطمینان دلایا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق آگ کا اثر اندر وہی اعضاء پر نہیں ہے۔“

”تو پھر یقیناً کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں تم نے فریدی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ صولت مرزا نے پوچھا۔
انتہے میں تو کافی کی ٹرے لایا اور صولت مرزا کافی اٹھیتے رہا۔

لیکن وہ ابھی تک جواب طلب نظرودی سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔
حمد نے فریدی کے متعلق مختصر سب کچھ بتادیا۔

”ارے تو کیا حقیقت اس کتبے یا ان اشعار میں کوئی خاص بات تھی۔“ صولت مرزا نے کہا۔ ”تو اب ایک دوسری بحصہ اندھے جانے فریدی پر کیا گزری ہو۔“
”خیر اسے تو چھوڑیے۔ مجھے اس کی ذرہ برا بر فکر نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”ہم لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ میں آپ سے اس فقارے کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔“
”فخارہ! کیسا فخارہ۔“

”وہی فخارہ جس کی تلاش میں وہ پر اسرار آدمی اصلیل کے چکر لگاتے تھے۔“

صولت مرزا کوئی جواب دینے جا رہا تھا کہ ارسلانوس آگیا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر دھشت کے آثار نہیں تھے۔ سر پر بالوں کا گلدستہ نما جھنگلا جبکہ نہیں تھا۔ آج نہ جانے کیوں اس نے اپنے بال بڑے سلیقے سے سنوار رکھے تھے۔ دلaczی میں بے ترتیبی نہیں تھی۔
”جلد کیسی ہے۔“ اس نے پوچھا اور پھر حمید پر نظر پڑتے ہی بولا۔

”اوہ آپ....!“

اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ہاتھ کی ہڈیاں کڑ کردا گئیں۔

”وہ محمد کمال آنندی کہاں ہیں۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”احمد کمال فریدی کہے۔“ حمید نے توکا۔

”وہی وہی....!“ ارسلانوس مکرا کر بولا۔ ”نه جانے کیوں مجھے ان کا کبھی نام یاد رہتا ہے۔
ہاں بھی صولت جملہ کا کیا حال ہے۔“

"پہلے سے کچھ بہتر۔" صولات مرزا نے کہا۔

جمید نے محسوس کیا کہ ارسلانوس دوسری طرف من پھیر کر مسکرایا ہے۔ صولات مرزا کے پھرے پر تمیز اڑی کے اثرات تھیں گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کے بعد کوئی عذر کر کے اندر چلا گیا۔ جمید ارسلانوس کے پاس آبیٹھا۔

"آپ جمیل کی کیفیت سن کر مسکرائے کیوں تھے۔" جمید نے درشت لجھ میں پوچھا۔

"ویکھو فرزند! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھائے دیتا ہوں کہ مجھ سے ایسی لجھ میں گھنگوتہ کیا کرو۔"

"تو صطبیل میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

"میا بکواس ہے۔" ارسلانوس بگزار کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا تعلق محکمہ سراجِ رسانی سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم شریفوں کی توجیہ کرتے پھر وہ۔ اگر تم صولات کے مہماں نہ ہوتے تو میں تمہیں اس بد تمیزی کا حراست پھر کھاد دیتا۔"

"خیر.... میں صولات مرزا کو اس معنی خیز مسکراہٹ سے آگاہ کر دوں گا۔ شاید انہوں نے دیکھا نہیں تھا۔"

"تم نے پھر وہی بکواس کی۔"

"اچھا تمیز سے گھنگو کیجھ۔" جمید نے بگزار کر کہا۔

"پہلا اگر جان کی خیریت چاہیے ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے نکل بھاؤ۔" ارسلانوس نے کہا۔

"کیوں....؟" جمید چوک کر بولا۔

"صولات نے جو کھیل شروع کر رکھا ہے اس کے دوران میں تم لوگوں کا وجود برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"کیسا کھیل....؟"

"وی کھیل جو اس نے میرے بیٹے کے ساتھ کھیلا تھا۔"

"بھلاں کیا جاؤ۔"

"اچھا تو آؤ میری ساتھ۔" ارسلانوس اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

وہا سے عقبی پارک میں لے آیا جہاں بٹ نصب تھے۔

”صوتِ مرزا بڑا لائچی آدمی ہے۔ وہ سمجھی نہ چاہے گا اس کی دولت کسی دوسرے گھر میں جائے۔ جیلے تین لاکھ روپیوں کی بلاشکرت غیرے مالک ہے۔ وہ میراچھے... میرا پٹا بھی... صوت کی ہوس کا شکار ہوا۔“ ارسلانوس کی آواز بھرا گئی اور وہ چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح سکیاں لینے لگا۔

و۔ بُلُوت

حید کو اپنی عقل خبط ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ تو یہ سمجھ کر آتا تھا کہ شاید ارسلانوس سے دو دو ہاتھ بھی کرنے پڑیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الاتھا۔ وہ کسی بوزھی بھیز کی طرح پھنسانے لگا تھا۔ حید الجھن میں پڑ گیا کہ وہ اسے کن الفاظ میں تسلیاں دے۔ پاگل آدمی تھے۔ اگر دلاسوں پر بھوں بھوں روشناروع کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خود اسی کو رونے پر مجبور کر دے۔ ”لوگ میرے دکھ سے واقف نہیں۔“ ارسلانوس سکیاں روک کر بولا۔ ”وہ صرف مجھ سے ہی نفرت کرنا جانتے ہیں۔ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میں خدا پتے لئے جنم ہو گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔“

”فلسفہ چیزیں ایسی ہے۔“ حید نے ہمدردانہ لمحے میں کہا۔

”فلسفہ...!“ ارسلانوس مختنڈی سائنس بھر کر بولا۔ ”ماش فلسفہ نے میری زندگی پر اثر ڈالا ہوتا۔“

”بھر کیا بات ہے۔“ حید اسے گھورتا ہوا بولا۔

”پچھے نہیں...!“ ارسلانوس نے کہا اور جانے کے لئے مزگیا۔

وہ فھٹا کہیں دور ایک ساتھ تین چار فائر ہوئے تو وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑے دفعے کے بعد بھر فائر ہوئے اور اس کے بعد ہوتے ہی رہے۔

رسلانوس بے تحاشہ چھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ حید نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا مگر بے سود۔ بھر اس کے پیچے دوڑا لیکن چھاٹک کے باہر جاتے ہی ارسلانوس اس کی نظر وہن سے غائب ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ مگر جواب نہ اردا۔ فائر کی آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔

حمد بیگاں کر اند آی۔ صولت مرزا الور اس کے کچھ نوکر پاک کی طرف آ رہے تھے۔

کھل گئے تھے آپ۔ ”صلوت مرزا نے حید سے پوچھا۔

”ار مٹا فوس کے بھیجے۔ حتی جاتے کھل قاتیع کی آوازیں یہ ہیے تھا۔“ صولت مرزا اسکی طرف نکل گیا۔“

”یہ قاتم کھل انہوں کے ہمراہ ہے تھیں۔“

”میں خود یہ بھی میں جوں۔“ صولت مرزا نے کھل آپ بھیجھے میں ابھی۔۔۔ وکھے کر آتا ہوں۔“

”میں بھی جمل رہا ہوں۔“ حید نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

”وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ کچھ لوگ انہیں اپنی طرف دوڑ کر آتے دکھائی دیے۔

”کون ہے۔“ صولت مرزا نے بلند آواز میں پوچھا۔

”اے.... سر کار....!“ کسی نے کہا اور وہ سب ان کے قریب آگئے اور پھر ان میں سے ایک ہانپاہ ہوا بولا۔ ”سر کار گڑھی میں گولیاں جمل رہی ہیں۔“

”کون ہے۔“

”نہ جانے سر کار.... بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”تو تم کہاں جا رہے ہو۔“

”آپ ہی کے پاس سر کار.... تھانیدار صاحب نے بھیجا ہے۔“

”کیوں....؟“

”انہوں نے کہا ہے کہ اپنی سب بندوقیں لے کر یا تو خود آ جائیے یا بھجواد بھجئے۔“

صلوت مرزا نے کچھ نوکر گھر کی طرف دوڑائے۔ چند لمحوں کے بعد وہ بندوقیں اور میگرین لے کر آگئے۔ پھر انہوں نے یہ راج گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک قارروں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر سکون ہو گیا۔

”لیکن یہ سب یک بیک ہوا کیسے۔“ صولت مرزا نے ایک آدمی سے پوچھا۔

”نہ جانے سر کار! بس اچاک گولی چلی پھر تھانیدار صاحب دو تین سپاہیوں کے ساتھ آگئے۔ لیکن گڑھی میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ تھانے میں اس وقت دو رانفلیں تھیں اس لئے انہوں نے

مجھے آپ کے پاس بیچ دیا۔"

"وہ گڑھی کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن فائر کی آوازیں نہیں سنائی دیں۔ مجھ دو رکھڑا تھا۔ کچھ لوگوں کے پاس لاٹھیں اور پڑو میکس بھی تھے۔ لیکن شاید گڑھی کے اندر جانے کی ہمت نہیں پڑ ری تھی۔ سب انپکڑ بھی دو تین ساپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔

"کہیے صاحب!" صولت مرزا نے اسے مخاطب کیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا نواب صاحب۔" سب انپکڑ بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "ان لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ آسیب دا سیب۔"

"لا جوں ولا قوۃ.....!" حید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بچھلی رات والی جگ کے بعد سے اس کے خیالات کچھ ڈانواں ڈول سے ہو گئے تھے اور پھر اس وقت اسے مجھ پر کچھ رعب بھی توڑا تھا۔"

"تو پھر چلنے اندر.....!" صولت مرزا نے کہا۔

"یہ ذرا خطرناک ہے۔" سب انپکڑ نے کہا۔ "معلوم نہیں وہ کہاں چھپے ہوں۔"

"گون..... آسیب.....!" حید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ فریدی صاحب کے ساتھی تو نہیں۔" سب انپکڑ نے صولت مرزا سے پوچھا۔

"ہاں..... لیکن..... تو پھر کیا کہجئے گا۔"

"میرے خیال سے تو اب صحیح پر رکھا جائے۔" سب انپکڑ بولا۔

"چہ خوب.....!" حید نے صولت مرزا کے نوکر کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے کہا۔ اس نے میگزین میں کار توس ڈالے اور رائفل انداھا کر دو تو میں ہوائی فائر کر دیئے۔

لیکن جواب میں کوئی فائر نہیں ہوا۔ تھوڑی وقت کے بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔ لیکن بدستور خاموشی رہی۔

"آئیے.....!" حید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے میں نارچ۔ اسے بڑھتے دیکھ کر صولت مرزا بھی بڑھا۔ پھر سب انپکڑ اور صولت مرزا کی بندوقیں دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

وہ سب گڑھی میں داخل ہو گئے۔ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے وہ چاروں طرف دیکھتے پھر رہے تھے۔ لیکن یہاں چاروں طرف ایک اتحاد سناثا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چلنے سے چاروں کے سلے

آئی ہوئی روٹیوں کی کڑکڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

کئی جگہ انہیں خون کے بڑے بڑے دھبے دکھائی دیئے۔ انہیں کسی لاش کے ملنے کی بھی توقع تھی۔ لیکن پوری گزہ میں کاچکر اگالینے کے باوجود بھی کوئی لاش نہ ملی۔

تحوڑی دیر بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ صرف سب انپکڑ صولت مرزا حمید اور چند کا نشیل رہ گئے۔ پھر صولت مرزا بھی جیلہ کی علاالت کاغذ رکر کے جانے لگا۔ اس پر حمید نے اسے الگ لے جا کر کہا۔

”آن رات ان پر اسرار آدمیوں کا خیال رکھئے گا۔ دیکھئے وہ آج آتے ہیں یا نہیں۔“

”تو کیا تم نہیں ظہرو گے۔“ صولت مرزا نے پوچھا۔

”جی ہاں....!“

”آخر کیوں؟“

”کپنے لئے خطرے کی بوسوگر رہا ہوں آج رات کو میں چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”تنی الحال پکھونے بتاسکوں گا۔“

”خبر بھی آج رات تو یوں بھی نہیں آجائے گی۔ اچھا تو میں چلا لیکن تمہارے لئے ٹکر مند ضرور رہوں گا۔“

صلوت مرزا کے چلے جانے کے بعد حمید پھر سب انپکڑ کے پاس لوٹ آیا۔

”آپ نہیں گئے۔“ سب انپکڑ نے پوچھا۔

”میں آپ کے ساتھ رہ کر تفتیش میں حصہ لینے کا رادہ رکھتا ہوں۔“

”شکریہ شکریہ۔ اگر فریدی صاحب بھی ہوتے تو کتنا اچھا تھا۔ آخر دہ کہاں رہے گئے۔“

”وہ شہر میں ہیں۔“

تحوڑی دیر تک وہ دونوں اس کے متعلق خیال آرائی کرتے رہے پھر سب انپکڑ نے تفتیش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں قبے کے گھر گھر کی کنڈی کھلکھلائی گئی۔ راگبیروں کو روک کر ان سے سوالات کئے گئے۔ دو ایک چھوٹے زمیندار جو سب انپکڑ سے پر خاش رکھتے تھے حوالات پہنچائے گئے۔

حمد نے جب بھی اعتراض کامنہ کھولا تو اسے بھی جواب ملا۔ ”آپ ان حرام زادوں کو نہیں

جانتے۔ اگر کوئی ہو سکا ہے تو یہی ہو سکتے ہیں۔ ”

تقریباً تین بجے اس چڑھے سے نجات ملی۔ پہلا، تو اس نے سوچا کہ بقیر رات تھاتے ہی میں پھر کرے لیں پھر یہ ارادہ ملتی کر دینا پڑا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب تھیں تک ان یہ گلنا گرفتار شدگان کا پھر مر نکال دیا جائے گا۔ اگر وہ وہاں رہا تو اس نیلوں کو یہ داشتتہ کر سکے گلنا تپار وہ صولت مرزا کی حوصلی کی طرف چل پڑا۔ حقیقتاً وہ اس وقت وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اور سلا تو اس کے جھٹے اس کے کافوں میں گون خر ہے تھے۔

بے خیالی میں وہ سامنے والے چھانک سے جانے کے بجائے عجی پارک کی طرف مزگیا۔ اصلبل کے قریب بھیچ کر وہ نمکن گیا۔ جلے ہوئے اصلبل کے ملبے پر ایک آدمی جھکا ہوا نظر آیا۔ اس نے انہیں آدمیوں کا سائدہ یعنی رومن لباس پہن رکھا تھا جنہیں حید بھوت سمجھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی زردو روشنی پھیلی ہوئی تھی اور پھر وہ کچھ جانا پچھانا سامعلوم ہو رہا تھا۔ حید ذہن پر زور دیئے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ ان پانچوں کے چہرے تو اسے اچھی طرح یاد تھے۔ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ دفعتاً حید پھر پڑا۔ اس کی صورت تو اس بست سے ملتی جلتی تھی جسے جیلے زفورس کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تو کیا؟ وہ حقیقتاً بھوت ہے۔ حید کے جسم سے شنڈا اشندہ اپسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ آہتہ آہتہ چلتا ہوا مہندی کی باڑھ میں چھپ گیا۔ وہ نہ اسرار آدمی اپنے نیزے سے ایک جگہ اصلبل کا ملبہ ہٹا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی سکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حید نے محسوس کیا کہ وہ ملبے کے ذمیر سے اڑ کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن پھر اس کے جسم میں بالوں کی لمبڑی گئی۔ روپ اور تو اس کے سوت کیس میں بند تھا۔

”میں نے جنمیں دیکھ لیا ہے۔“ وہ مہندی کی باڑھ کے قریب آکر بھراہی ہوئی آواز میں بولا۔

”چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ یہ نیزہ تمہاری ہڈیوں میں اترتا چلا جائے گا۔“

حید کھڑا ہو گیا لیکن اس کے سارے جسم میں کچھی طاری تھی۔

”میں جنمیں شہید کر کے بھوت بنانا چاہتا ہوں۔“ اس نے مقابانہ انداز میں کہا۔

حید خاموش رہا۔ پھر وہ نہ اسرار آدمی بے اختیار نہ پڑا اور ساتھ ہی حید اسے کہہ کر جو اچھا ہے تو ایک ہی جست میں مہندی کی باڑھ پار کر گیا۔ نہی کا انداز فریدی کا ساتھ۔

"خدا کی حکم اسی بل بوتے پر سراغِ رسانی کا دعویٰ رکھتے ہو۔"

"اگر میرا ہمارث فیل ہو جاتا تو۔" حمید نے گز کر کہا۔

"تو میں کسی کنوارے گذے سے تمہاری شادی کر دیتا۔" فریدی نہس کر بولا۔ "میرے یاد تو جمعِ لوٹیوں سے بھی بدتر ہیں۔"

وفلا فریدی کے چہرے پر بھی ہوئی زرد روشنی غائب ہو گئی۔

"یہ کس طرح ہوا۔" حمید بے ساخت پوچھ بیٹھا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر پر رکھے ہوئے خود میں اندر کی طرف نکھے تین بلب لگے ہوئے ہیں جن کا تعلق میری جیب میں رکھی ہوئی ایک معمولی سی بیٹری سے ہے جب چاہتا ہوں انہیں جلا دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں بجھا دیتا ہوں۔"

"لا جوں والا قوہ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن آپ نے اتنی جلدی یہ سامان کہاں سے مہیا کر لیا۔"

"سب ڈاکٹر بھٹاگر کی عنایت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آؤ آؤ ادھر.... بھڑائیوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔"

"کل رات کہاں رہ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تم شاید سمجھے ہو گے کہ مجھے پکڑ لیا گیا۔" اس نے کہا۔ "بات یہ نہیں تھی۔ اس وقت کی چال بڑی کار آمد ثابت ہوئی۔ وہ اندر ہیرے میں بھی سمجھے کہ میں بھی اسی نیکسی پر بیٹھ کر نکل گیا ہوں۔ اس طرح مجھے ڈاکٹر بھٹاگر کے مکان میں سمجھنے کا موقع مل گیا۔ وہ لوگ تو بے چارے رات بھر سمجھے علاش کرتے رہے۔ ڈاکٹر بھٹاگر کے مکان کی علاشی لینے پر مجھے خود بھی یقین ہو گیا کہ اس کے متعلق میرا اندازہ قطعی درست تھا۔ وہ پانچوں پر اسرار آدمی اسی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بس جو میں نے پہنچ رکھا ہے اسی کے گھر سے چراکرا لایا ہوں۔"

"لیکن وہ پانچوں تو کل رات کو بہاں اسی بس میں موجود تھے۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بھٹاگر کے بہاں صرف پانچ آدمیوں کے لئے بس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہاں کی جوڑے وردياں اور ہیں۔ ہاں تو وہ کل رات کو فقارہ بہاں سے نکال لے گئے۔"

"یعنی اصطبل سے....؟" حمید نے تحریر انداز میں سوال کیا۔

”ہاں.... اپنی عقولوں پر تو پتھر پڑ گئے تھے۔“ فریدی نے سجیدگی سے کہا۔ ”میں اپنی یہ حماقت بھی زندگی بھریا درکھوں گا۔ وہ فقارہ دراصل یہاں مگھوڑوں کے دانہ کھانے کے ہو دے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ خود صولت مرزا بھی اس کی حقیقت یا اہمیت سے آگاہ نہیں تھا۔ کل وہ لوگ اسے کھو دکر نکال لے گئے اور ساتھ ہی وہ اصل میں آگ بھی لے گا۔“

”آخر تھا کیا اس فقارے میں!“

”اس راستے کا نقشہ جو ہمیں تخت عقرب سک لے جاتا۔“

”یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔“

”قیاس...!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”آج وہ یدھ راج گڑھی میں راستہ تلاش کر رہے تھے۔“

”تو کیا وہ ساری اودھ ...!“

”میں نے یہ چھائی تھی۔“ فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ ”ان کے کئی آدمی ہلاک اور رُخی ہوئے ہیں۔“

”مگر لا شیں!“

”وہ اٹھا لے گئے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کا راز ظاہر ہو جاتا۔“

سجد تھوڑی دیر سک خاموش رہا پھر بولا۔

”آخر انہوں نے فقارے کی تلاش کے لئے یہ سوائیں بھرا تھا۔“

”یہ ان کی زبردست چال تھی۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”اس معاملے میں ڈاکٹر سجنگاگر کی ذہانت کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ یدھ راج گڑھی کی کھدائی کے دوران میں صولت مرزا یہ کے یہاں تھہرا تھا۔ غالباً وہ جیلہ کے مرض سے واقف ہو گیا تھا۔ اس کی نظر خصوصاً اس بات پر زیادہ تھی کہ جیلہ دورے کی حالت میں قدیم روم اور یونان کی باتیں کیا کرتی ہے خود کو قدیم مصر کی باشندہ سمجھتی ہے۔ لہذا اس نے اسی حوالے سے قدیم روم سن پا ہیوں کی اختراع کی تاکر دیکھنے والے اسے آئینی سمجھ کر ان سے دور ہی رہیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔“

”اور آپ.... آپ اس لباس میں کیوں آئے۔“

”اپنا بھی وہی مقصد تھا اگر اس لباس میں نہ آتا تو ممکن ہے کہ مجھے گولی ہی مار دی جاتی۔“

”گون گولی مارتا۔“

”صولت مرزا...!“

”کیوں؟“

”شاید نیند نے تمہاری سوچنے کی قوت سلب کر لی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اُرے میاں... کل اس کی لڑکی انی اصطبل میں نبڑی طرح جل چکی ہے۔ بھلا آج رات کو اس کے قریب آنے والا زندہ رہ سکتا تھا۔ صولت مرزا نے مجھے اس لباس میں یہاں دیکھا تھا اور چپ چاپ دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ ممکن ہے وہاب بھی کسی کھڑکی یا روشنداں سے جھانک رہا ہو۔“ حمید فریدی کو اپنی اور ارسلانوس کی گفتگو کے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ ”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ارسلانوس گولیوں کی آوازیں سن کر بے تحاش بھاگا کیوں تھا۔“

”وحوشت...!“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”رسلانوس کی شخصیت بھی کچھ مشتبہ ہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صولت مرزا کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔“

”ایک بہت ہی معمولی وجہ تو اس کا مرحوم بیٹا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”صولت مرزا کی کسی حرکت کی بنا پر کھل کھل کر مر گیا۔“

”یہ ارسلانوس کا بیان ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن تم اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اس کے لڑکے کی پروردش دراصل صولت مرزا ہی کے یہاں ہوئی تھی۔ ارسلانوس اپنی بیوی کے مرنے کے بعد سے لڑکے کی طرف سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ایک بار سخت یہار تھا۔ اس کے سارے جسم پر زخم ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے نبجیالا کرتے تھے۔ ارسلانوس نے اسے گمراہ کر گلی میں ڈالوادیا تھا۔ اگر صولت مرزا نہ ہوتا تو کیڑے اس کی ٹہیاں تک چاٹ جاتے۔“

”بھی یہاں تو میری عقل ہی خط ہو گئی ہے۔“ حمید آتنا کر بولا۔

”پہلے کبھی نہیں تھی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ ”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اس نقارے کا علم کیوں نکر ہوا جب کہ خود مرزا بھی اس کے وجود سے لا علم تھا۔ اسے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ نقارہ صولت ہی کے یہاں کہیں پر موجود ہے۔“

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چوک کر کہنے لگا۔

”ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”کیا...؟“

”جیلہ کو آپ قطعی موصوم قرار دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ کسی مقصد کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے۔ خود کسی بات سے واقف نہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بتائیے کہ اس کا قاؤنٹین

پن یہ دراج گز حی تک کیسے پہنچا۔“

”ہاں یہ سوال بھی غور طلب ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ خیر جو کچھ بھی ہے جلد ہی سامنے آجائے گا۔“

”تو آپ پڑے کہاں؟“ حمید نے کہا۔

”جہاں اب تک تھا..... تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ میرے متعلق صولت مرزا کو کچھ نہ بتاتا۔“ اور پھر وہ کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

خون ریز جنگ

فریدی نے ان پانچ آدمیوں کا بھی راز ظاہر کر دیا۔ فارے کے متعلق بھی اس کا قیاس درست ہو سکتا ہے۔ جیلہ کی ذہنی بیماری بھی حقیقت رکھ سکتی ہے لیکن وہ اس کے کی آواز کو کس طرح آدمی کا کارنامہ ثابت کر سکے گا۔ جب کہ وہ سینکڑوں سال سے سنی جا رہی ہے۔

صحیح سے صولت مرزا سے کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ کچھی رات کو بھی اصلبل کے قریب ان میں سے ایک آدمی دکھائی دیا تھا اور اس کی شکل پارک میں نصب شدہ بتوں میں سے ایک سے ملتی جلتی تھی۔ صولت مرزا جیلہ کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ جیلہ کی حالت پہلے سے بہتر ضرور تھی لیکن وہ ہر وقت کراہتی اور چینی رہتی تھی۔ جلنے کے بعد سے وہ اب تک سو نہیں سکی تھی۔ دو ایک بار صرف غشی کے دورے پڑے تھے۔ وہ بھی زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ جلنے کے بعد سے اب تک اس نے ہزار دو ہزار سال پر اپنی باتیں نہیں کی تھیں اور وہ ہر ایک کو پہچان بھی رہتی تھی۔ بار بار ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ وہ آخر جلی کیسے؟ کہاں اور کب جلی۔

حید دن بھر او گتارہ۔ دو ایک بار ٹکلیل سے بھی نہ بھیز ہوئی اور حید نے اسے مخاطب کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ کچھ بولی نہیں یا شاید جیلے کی وجہ سے اس کی ساری شوغی ختم ہو گئی تھی۔ عقیلہ کے پیچے بھی ناموش تھے۔

تقریباً تین بجے شام کو ایک لڑکے نے حید کو لفاف دیا جس پر اسی کا نام تحریر تھا۔ حید نے اس کے ہاتھ پر ایک سکہ رکھ کر اسے رخصت کر دیا۔ یہ خط فریدی کا تھا۔ اس نے شام کو یہ راج گز ہمی کے قریب کے جگل میں بایا تھا۔ اس کے علاوہ خط میں کچھ اور نہیں تھا۔

حید ایک نئی اپنی میں پڑ گیا۔ فریدی شاید بھیٹ کی طرح اس بار بھی تھا اسی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ تھا نئے کا نہیں تھا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر جھنگاگر کا گروہ کتنا مضمبوط ہو۔ وہ دو آدمی ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ بہر حال اسے جانا ہی تھا۔ سوچتے سوچتے اسے رات والی جنگ کا خیال آگیا کل تو فریدی بالکل تھا تھا۔ وہ ان سے اکیلا ہی بھڑک گیا تھا اور اسے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اس نے ان میں سے کئی ایک کو ختم کر دیا ہے۔

چہ بجھتے ہی وہ جگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے اپناریو الور لے لیا تھا اور کافی تعداد میں کار توں بھی۔ اسے دیر تک نہیں بھکٹا پڑا۔ وہ ایک اوپنے اور گھنے درخت کے نیچے سے گزری رہا تھا کہ اسے اوپر سے بکلی بکلی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اس نے چوک کر اوپر دیکھا۔ فریدی کھنی شاخوں سے سر نکالے جھانک رہا تھا۔ اس نے حید کو اوپر آنے کا اشارہ کیا اور حید بھنا کر رہا گیا۔ ”اس وقت آپ بیسے بلند مقاموں تک میری رسائی نا ممکن ہے۔ میں آپ کے جگل خانے تک نہیں پہنچ سکتا۔“

”چپ...!“ فریدی ہونٹ پر انگلی رکھ کر بولا اور پھر اشارے سے اوپر چڑھنے کو کہا۔ مجبوراً حید نے جوتے اتار کر پتلون کی جیب میں ٹھونے اور درخت پر چڑھنے لگا۔ دعا فریدی نے گلے میں انگلی ہوئی دور میں آنکھوں سے لگائی اور مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سر گھماتا ہوا یہ راج گز ہمی کی سمت پلتا۔ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر دور میں چھوڑ کر حید سے مخاطب ہو گیا۔

”وہ آج بھی باز نہیں آئیں گے۔ ڈھائی تین من سو ناکم نہیں ہوتا اور پھر اسی کے ساتھ ہی ساتھ قبیل جواہرات بھی جو اس تخت میں جڑے ہوئے ہیں۔“

”مجھے تو یہ اب بھی بذل ہی معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”خیر... خیر... ذرا اسے دیکھو۔“ فریدی نے جیب سے کانٹہ کا ایک ٹکڑا انکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ابھی تھوڑی بہت روشنی باقی تھی۔ حمید نے کانٹہ پر نظریں جھادیں۔ اس پر سرخ روشنائی سے پچھو کا ڈنگ بننا ہوا تھا اور کچھ ہند سے بننے ہوئے تھے۔ کچھ تیرہوں کے نشانات تھے۔ ڈنگ کے چاروں طرف ستون کے نام لکھے ہوئے تھے۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو دورہن میں سے یہ راج گز ہی کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

”کیا یہ ذرا اونے خوابوں کا تعلیم ہے۔“ حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں ہی۔“ فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔ ”کیا تمہیں ان مہل اشعار کا وہ مصروف یاد نہیں رہا۔“

”کون سا...!“

”فقارے میں ڈنگ لگا ہے۔“

”ہاں تو پھر...!“

”یہ وہی ڈنگ ہے جو فقارے میں لگا ہوا تھا۔“

”آپ کو ملا کہاں سے۔“

”کیا تم اس کانٹہ پر خون بھری اگلیوں کے نشانات نہیں دیکھ رہے ہو۔“

”دیکھ رہا ہوں۔“

”یہ کل رات کو انہیں میں سے کسی کے پاس تھا۔“ فریدی نے کہا۔ وہ ابھی تک یہ راج گز ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وقتاً حمید کی طرف مڑ کر دورہن میں اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولتا۔

”ذراؤ کھنا تو یہ کون ہے؟“

حمد نے دورہن لے کر آنکھوں سے لگائی۔ یہ راج گز ہی میں ایک آدمی دکھائی دیا جو نوٹی ہوئی دیواروں کی آڑ میں چھپتا پھر رہا تھا۔

”یہ توار سلانوس معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بھاں کیا کر رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”فی الحال اس سلانوس کو بھول جاؤ۔ ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔“

آہستہ آہستہ اندر چھیڑا جا رہا تھا اور جگل مختلف قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔

”کچھ معلوم ہے کہ وہ ہیں کتنے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس کی پردوہ مت کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہمارے پاس چھے عدد بہترین قسم کے بندوقی ہیں۔“

”ان کے نام سنو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیپشن ابراہیم جلیس، شہر شفیق الرحمن، کرع

کنہیا لال کپور، سار جنت مجرم شوکت اور انکلز جاوید۔“

”لیکن یہ سب ہیں کہاں۔“

”درختوں پر۔“ فریدی نے کہا۔ ”انہیں آج ہی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔“

حمد خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ادھر ادھر کی یاتیں شروع ہو گئیں۔ لیکن حمید کا ذہن اور سلانوس میں الگجا ہوا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ٹھوکا دیا۔ حمید چوک کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ راج گز ہی میں کہیں کہیں پردوہ شنی کے بلکے بلکے متحرک دھبے نظر آرہے تھے۔

”لیکن ایک بات تو نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”ممکن ہے کہ آج یہاں کی پولیس مداخلت کر بیٹھے۔“

”کوئی ہرج نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے پاس ڈاکٹر سجنناگر کا وارث ہے۔ اس پر ایک قتل کا بھی الزام ہے۔“

”یہ روشنیاں۔“ حمید نے کہا۔

”شاید انہوں نے راستے کی تلاش شروع کر دی ہے۔“ فریدی نے کہا اور ہوئے ہوئے سینی بجائے لگا۔ قریب کے ذو تین درختوں پر سرسر اہم سنائی دی۔

”آواب اتر چلو۔“ فریدی نے کہا۔

حمد نے اترتے ہی ان چھ آدمیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ وہ فریدی کے گھرے دوستوں میں سے تھے۔

وہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے یہ راج گز ہی کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر گز ہی کے قریب پہنچ کر انہوں نے زمین پر لیٹ کر سینوں کے بل رینگنا شروع کر دیا۔

گز ہی میں پندرہ میں آدمی دکھائی دیئے جنہوں نے قدیم رومن سپاہیوں جیسا لباس چکن

رکھا تھا اور ان کے چہروں پر بیکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں دو تین بجکے ہوئے نارجی کی روشنی میں زمین دیکھ رہے تھے۔ فریدی کے ساتھیوں میں سے کسی نے حیرت کا اظہار نہ کیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی انہیں پہلی ہی سب کچھ بتا پڑتا ہے۔

بجکے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سید حاکھڑا ہو گیا۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ذاکر بھنگاگر تھا۔ اس نے بجکے ہوئے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ بھی سید ہے ہو گئے۔

"میا یہ لوگ کل اسی لباس میں تھے۔" حمید نے فریدی سے آہستہ سے پوچھا۔

"نمیں! آج انہوں نے ضرورتا ایسا کیا ہے۔ اگر کل گولیاں نہ چلی ہوتیں تو شاید یہ اتنی احتیاط نہ کرتے۔"

"تواب کیا کہتے ہو۔" ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"ابھی نہیں وہ...!" فریدی نے کہا۔

بھنگاگر کا ایک ساتھی اپنے آدمیوں سے ہٹ کر ایک منارے کی طرف گیا۔ پھر وہاں سے اٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لیکن واپسی میں کسی قدر اہتمام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قدم گرن رہا ہو۔ اتنی دیر میں فریدی اور اس کے ساتھی نوٹی ہوئی دیواروں کی اوٹ میں ریختے ہوئے ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"پہچیں قدم یہاں پورے ہوتے ہیں۔" بھنگاگر کے ساتھی نے کہا۔

بھنگاگر اس کے قریب آگیا اور جھک کر نارجی کی روشنی میں کچھ دیکھنے لگا۔

"مگر یہاں بھی ویسانشان نہیں دکھائی دیتا۔" بھنگاگر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہاں کبھی اس قسم کی عمارت تھی تو کم از کم اس کے آثار تو ہونے ہی چاہئے تھے۔"

"کہیں ہم آنے نہیں بن گئے۔" کسی نے کہا۔

"یقیناً آلوہی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "خبردار اگر کوئی ہلا تو کھوپڑی اڑی۔"

آنا قاتا ان کے چہروں کی روشنیاں غائب ہو گئیں اور وہ سب پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے۔

فریدی اور اس کے ساتھی بلندی پر ضرور تھے لیکن اب انہیں وہ لوگ صاف نہیں دکھائی دیتے تھے۔

ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے سرا بھار اسی تھا کہ ایک فائر ہوا۔ مگر نہ جانے وہ کیسے بیٹھ گیا۔

"فائر مگ شروع کر دو۔" فریدی نے کہا اور اورہ سے بھی گولیاں چلنے لگیں۔ حمید نے بھی

ریو اور نکال لیا تھا۔ دونوں طرف سے بے تحاشہ گولیاں چل رہی تھیں۔ بھٹناگر کی طرف دو تین جنین بھی سنی گئی۔

”یوں نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”ایک ایک آدمی دائرے کی شکل میں کھلتا چلے۔ وہ لوگ ایسے میں اوپر چڑھنے کی بہت نہیں کریں گے۔“

سب نے آہستہ کھکنا شروع کر دیا۔ لیکن ان کے ریو اور برابر آگ اگلتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف پھر ایک جیج سنائی دی۔ گڑھی کے باہر بھی زور سنائی دے رہا تھا اور باہر بھی ایک آدھ قاتر سنائی دیئے۔ شاید باہر والے حمید کے پہلی رات کے تجربے کو دھرا رہے تھے۔ اوہ بھٹناگر کی طرف کے ایک آدمی نے اوپر آنے کی کوشش کی اور حمید کے ریو اور نے اسے پھر نیچے پہنچا دیا۔

”فضول ہے ڈاکٹر بھٹناگر۔“ فریدی نے زور سے کہا۔ ”اب بھی بہتر ہے کہ باز آ جاؤ۔“

دوسری طرف سے قاتر بند ہو گئے اور فریدی کے ساتھیوں نے گولیاں چلانا بند کر دیا۔

”بولو کیا کہتے ہو۔“ فریدی نے پھر آواز دی لیکن جواب ندارد۔ فریدی نے ایک قاتر بھی کیا لیکن اس کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ فریدی نے دو تین قاتر اور کئے... لیکن بے سود۔

آخر اسپکٹر جاوید نے نارج روشن کی۔ نیچے آنھہ زخمی یا مردے دکھائی دیئے۔ فریدی تیزی سے نشیب میں اتر گیا۔ اس کے پیچھے بقیہ لوگ بھی تھے اور پھر کئی نارچوں کی روشنیاں قرب و جوار میں چھیلے گئیں۔ لیکن بھٹناگر اور اس کے بقیہ ساتھیوں کا کوئی پیدا نہ تھا۔

”اچھا میاں جاوید صاحب سیٹی ہو گئی تمہارے پاس۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہونی تو چاہئے کیوں کہ اتفاق سے تم اس وقت وردی میں ہو۔“

”کیا کرو گے سیٹی۔“ اسپکٹر جاوید نے جیب سے پولیس کی سیٹی نکالتے ہوئے کہا۔

”عقل کے ناخن لویا۔“ فریدی نے کہا۔ ”مقامی پولیس کے آدمی باہر موجود ہوں گے۔ اگر انہوں نے اندر گھس کر ہم پر بے تحاشہ گولیاں بر سانی شروع کر دیں تو کیا کرو گے۔ اچھا چلو.... بجاوہ خطرے کی سیٹی۔“

اسپکٹر جاوید نے خطرے کی سیٹی بجائی۔ باہر سے جواب آیا اور پھر تھوڑی تی دیر بعد بھاری بھر کم جوتوں کی آوازیں سنائی دیئے گئیں۔ فریدی نے نارج سے اشارہ کیا اور مقامی پولیس کے

جو ان دوڑ کر ان کی طرف آئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ شاید آج احتیاطاً دوسرا تھانے سے بھی کچھ سپاہی بلوائے گئے تھے۔

”ارے آپ....؟“ سب انپلز فریدی کو دیکھ کر چینا اور پھر متینہ انداز میں زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو دیکھنے لگا۔

”ہمیں کچھ اور آدمیوں کی تلاش ہے جو اس وقت بھی نہیں کہیں موجود ہیں۔“ فریدی نے کہا۔
”مگر یہ ہیں کون....؟“ سب انپلز نے پوچھا۔

”قاں... سازشی اور خطرناک قسم کے مجرم۔ ان کے مادرست میرے پاس موجود ہیں۔ انہیں انخوا کر لے جائے۔ ہم دوسروں کی تلاش میں ہیں اور یہ قبے والوں کی بیٹھ رہا سے ہٹوا دیجئے۔ کوئی گڑھی کے اندر نہ آنے پائے۔“

سب انپلز زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو انخوانے کا انظام کرنے لگا اور یہ لوگ دوسروں کو ڈھونڈنے میں مشغول ہو گئے۔

تختِ عقرب

”آخر گئے کہاں۔“ کیپٹن حامد پر تشویش لجھے میں بولا۔ ”اگر اوپر چڑھتے تو صاف دکھائی دے جاتے۔ ایک نے چڑھنے کی کوشش کی تھی ہم میں سے کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔“

”اوپر تو نہیں گئے۔“ فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

”تو پھر زمین میں گھس گئے ہوں گے۔“ حید طنزیہ لجھے میں بولا۔

”تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں گری ہوئی عمارتوں کے بلے کے درمیان ایک سارہ سارہ دکھائی دیا جس کے دونوں طرف کے ڈھیر چھ سات فٹ سے کم بلند نہیں تھے۔ وہ اس میں گھس پڑے۔

”نالہ اور اسی راستے سے فرار ہوئے ہیں۔“ فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

”ساری محنت برپا ہو گئی۔ بہت زیادہ دور اندر نہیں بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر میں سیٹی وغیرہ

کے چکر میں تپڑا ہوتا تو وہ نکل کر جانبیں سکتے تھے۔ ”

”پھر بھی۔“ اسپکٹر جاوید بولا۔ ”وہ بخ کر کہاں جائیں گے۔ میرے خیال سے تواب تم وہ کام شروع کر دو جس کے لئے درود سر مول لی ہے۔ فی الحال راست صاف ہو گیا ہے۔“

”اس نقشے کی مدد سے تو ہم عمر بھروسہاں نہ پہنچ سکیں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”میونکہ شاید ظاہری نشانات مٹ چکے ہیں۔ میں نے اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مجنہاگر کا ساتھی مینار سے پچھس قدم تک بالکل نمیک چلا تھا۔ اس جگہ پچھو کے ڈنگ کی ٹھنڈل کی کسی عمارت کے آہار ضرور ہونے چاہئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے، ہاں ایک دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ نمیک اسی جگہ کھدائی کی جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس تخت کو کسی تہہ خانے ہی میں ہونا چاہئے۔“

وہ لوگ ابھی تک اس تک راستے میں چل رہے تھے۔ دفعتاً کچھ دور پر انہیں ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر فوراً ہی غالب ہو گیا۔ ان کی نادر چوں کی روشنی دور تک پھیلتی چلی گئی۔ لیکن پوری راہ سنان پڑی تھی۔ جس جگہ سایہ دکھائی دیا تھا وہاں پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس کی نظر چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ قریب ہی اسے ایک غار دکھائی دیا جس کے دہانے پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ فریدی نے جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر اندر روشنی ڈالی۔ یہ ایک بڑا ساغار تھا جس کا دوسرا سراد دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اندر سیلن کی بدبو پھیلی ہوئی تھی.... اور زمین گلی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مژد۔

”یہاں دیکھو! بھروسے کے یہ نشانات بالکل تازہ معلوم ہوتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”ہاں ہیں تو....!“ حمید نے کہا۔ ”اور کئی آدمیوں کے معلوم ہوتے ہیں۔“

”تو آؤ.... پھر انتظار کس بات کا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر ڈاکٹر مجنہاگر ہاتھ آگیا تو ممکن ہے کہ ہم وہ راستہ بھی پاجائیں ورنہ ویسے تو کوئی امید نہیں ہے۔“

وہ سب غار میں اتر گئے۔ فریدی آگے آگے چل رہا تھا۔ کچھ دور تک زمین بالکل بھیگی ہوئی تھی۔ اندر گھستے ہی ان پر پھر وہ نے یلخار کر دی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کہی ایک اس کی ناک کے راستے پیٹ میں بھی اتر گئے ہوں۔ اتنے پھر وہ کی بھجنناہٹ اس کے دماغ کی چولیں ہلانے دے رہی تھیں۔ وہ اپنے منہ پر تھپڑ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے غار تک ہوتا گیا اور پھر کچھ اور آگے چل کر صرف اتنا بڑا

سوراخ رہ گیا جس سے صرف ایک آدمی لیٹ کر گزر سکتا تھا۔ فریدی نے جھک کر اس میں نارجی کی روشنی ذاتی اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سوراخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چکنے لگی تھیں۔

"تم سب ایک بار اس کی زیارت کرو۔ وہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولا۔"

سب سے پہلے حمید جھکا اور وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں جواب طلب انداز میں فریدی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ باری باری سب نے دیکھا اور بت ہن کر رہ گئے۔

"کیا خیال ہے؟" فریدی پھر بولا۔

"تو کیا وہ دروازہ...!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تا۔ وہ سورج رہا تھا کہ کیا واقعی انسیں تخت عقرب مل ہی جائے گا۔ اس نے اس سوراخ سے چند ندم کے فاصلے پر ایک دروازہ دیکھا تھا۔

"دیکھو... دیکھو۔" فریدی سوراخ پر جھلتا ہوا بولا۔ "یہ سوراخ بھی قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے گرد بھی ہوئی کافی یہ بتاتی تھی کہ یہ سوراخ خاص طور پر بنایا گیا ہے اور پھر یہاں کافی بہا کیا کام۔ جب کہ یہاں پانی کی ایک بوند بھی نہ پہنچ پاتی ہو گی۔ ذرا یہ قرب و جوار کی زمین دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں کبھی پانی پڑا ہی نہیں۔ پھر یہاں اس دہانے میں کافی کہاں سے آتی۔ اس کا تو یہی مطابق ہو سکتا ہے کہ اس کی سیخانی کی جاتی ہے۔"

"ممکن ہے اوپر کا پانی رس کریاں تک پہنچتا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر یہ بات ہوتی تو ہمارے اوپر کا حصہ بھی نہ ہوتا۔ لیکن وہ بالکل یہ تک پڑا ہے۔ خیر تو اب لیا ارادہ ہے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"میں یہ شروعات کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر لیٹ کر سوراخ کے اندر ریکھ گیا۔ یکے بعد دیگرے دوسروں نے بھی اس کی تحلید کی۔

"اوہو...!" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے سوراخ پر رکھ دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی چیز پر ڈھکن لگادیا گیا ہو۔ اس نے اسے پھر ہٹالیا۔

"یہ دیکھو اس میں بھی ایک طرف ویسی ہی کافی لگی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ تھی اس سوراخ کا ڈھکن ہے۔ اگر اسے اس میں لگادیا جائے تو دوسری طرف سے راست قطعی مسدود

معلوم ہو گا۔ بھی داد دینی پڑتی ہے اس کا ریگری کی۔“

وہ بولتے بولتے خود بخود چوک پڑا اور پھر کہنے لگا۔ ”تو کیا بھٹاکر سے بھی پبلے کوئی اس تہہ خانے پر قبضہ کر چکا ہے۔“

”اسے چھوڑو... اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟“ اسکھر جاوید نے کہا۔

فریدی پھر کو چھوڑ کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی درازوں سے ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی آگے بڑھ کر درازوں سے جھاٹکنے لگا اور پھر فور آہی پچھے ہٹ آیا۔ اس کے ہونتوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”میں تم لوگوں کو ہر گز اندر نہ جھاٹکنے دوں گا۔ ورنہ تم لوگ بھاگ نکلو گے۔“

”کیوں؟ کیوں؟“ ب لوگ آگے بڑھے۔

”نہیں ابھی نہ ہو۔“ فریدی نے کہا اور دروازے کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن وہ دوسرا طرف سے بند تھا۔ اس نے کافی زور صرف کیا لیکن دروازہ نہ سے مسند ہوا۔

”ترولنا پڑے گا۔“ فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

حید مختار بانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے دروازے کی درز سے آنکھی لگادی۔ دوسرے لمحے میں وہ جھیکر فریدی پر آ رہا۔

”کیوں.... بس مر گئے.... منع کیا تھا۔“ فریدی نے اسے الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔

”بیٹھے حید صاحب یہ وہی باویلی ہے جس کی مجھے علاش تھی.... جہاں میں نے چند گھنٹے گزارے تھے۔ لیکن اس وقت مجھے یہ دروازہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے بھی اس وقت سبی دیکھا تھا۔“

کرٹل کپور بھی بھیٹ کر دروازے کے قریب آیا۔ لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو حید کا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے بھتی۔“ کیپشن جلیس نے اپنے کلاک ناوار جیسے جسم کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں! ادھرمت جاؤ۔“ کرٹل کپور نے بھراہی ہوئی آواز میں کہا۔

”آخر کیوں؟“

”انسانی کھوپڑیاں خلاء میں ناق رہی ہیں ان میں چانغ چل رہے ہیں۔“

”اے باپ....!“ کیپشن ابر ایم جلیس نے بوکھلا کر کہا اور مگر اہٹ میں اوٹ کی طرح

بلبلانے لگا۔

”چھوڑ یار....!“ شفیق الرحمن نے اپنے مخصوص لمحہ میں کہا۔ ”روشن دماغوں کی کھوبڑیاں ہوں گی۔“

بادی باری سب نے اندر جھانکا اور سب کے چہروں پر ہوانیاں اڑنے لگیں۔ خصوصاً ابر ایم جلیس کی بلبلابہت اور زیادہ بڑھ گئی۔

”یار جلیس....!“ فریدی اس کے کامنے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”تم ایک بار تارزن سے کشتی لڑ جاؤ۔ تمہاری ساری کلینی خود بخود سیدھی ہو جائیں گی۔“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بلبلابہت بدستور جاری رہی۔
”اس دروازے کو توڑنا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔

”تھت.... توڑنا.... کیا کہہ رہے ہیں.... حضرت....!“ جلیس نے کاپنیتے ہوئے کہا۔
”یار میں تمہیں براہمبار سمجھتا تھا۔“

فریدی نے بدقت تمام انسانیں راضی کیا اور جلیس کے علاوہ وہ سب مل کر زور لگانے لگے۔
دفعہ اندر کسی وجہی درندے کی غراہبہت سنائی دی اور وہ سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

”تم لوگ نہ جانے کس ریگستانی مٹی کے بنے ہو۔“ فریدی نے جلا کر کہا۔ ”ارے بابا ہم سب کے پاس ریو اور ہیں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔“

”نمگ.... کون؟“ جلیس پھر ہکلایا۔

”یار تم چپ ہی رہو۔“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

غراہبہت برادر سنائی دے رہی تھی اور وہ سب نبڑی طرح کانپ رہے تھے۔
خصوصاً حمید اور جلیس کی تو جان ہی نکل رہی تھی۔

”آخر تم اسے کیا سمجھتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”سمجھ... بھوت....!“ کیپٹن حامد نے کہا۔

”بکواس۔ اگر وہ بھوت ہے تو اندر ہی سے کیوں غرار ہا۔۔۔ باہر کیوں نہیں لکھا۔ اگر وہ واقعی
بھوت ہو تو اسے تک تھہاری گرد نہیں کس طرح سلامت رہتیں۔“

”مگر.... مگر....؟“ حمید نے کچھ کہنا شروع کیا۔

"آپ تو براو کرم خاموش ہی رہئے... چند کہیں کے۔"

فریدی انہیں بڑی دیر تک سمجھاتا رہا اور پھر کسی نہ کسی طرح انہیں دروازہ توڑنے پر راضی کر لیا۔

بدقت تمام ایک تختہ نکل سکا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ فریدی نے اندر ہاتھ ڈال کر کنٹی گراوی اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ غراہٹ کی آواز اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی نے اندر داخل ہوتے ہی خلاء میں ناچتی ہوئی کھوپڑیوں پر فائز کئے۔ سب کی سب... چنانچہ ٹوٹ کر بکھر گئیں اور باوی میں اندر ہمراہ پھیل گیا۔ سب نے ثار چینیں روشن کر لیں۔ انہیں آئندہ دس آدمی زمین پر اونچے پڑے دکھائے دیئے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ یہ ڈاکٹر سجننگر کے آدمی تھے اور غالباً وہ بھی انہیں میں رہا ہو گا۔

فریدی نے اس طرف روشنی ڈالی جدھر سے غراہٹ کی آواز آری تھی اور حید بے اختیار چیخ پڑا۔

"اُرے یہ توار سلانوس ہے۔"

"ہاں ہاں.... میں ہی ہوں۔" اوپر کے دریچے سے آواز آئی۔ "اور اب تم لوگ یہاں سے زندہ چکر نہیں جائیں گے۔"

فریدی نے قبھہ لگایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک فائز ہوا اور گولی سنتا تھی ہوئی اس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔ اس نے فائز کر دیا۔ پھر باوی کی ٹنگ فضا پے در پے فائزوں سے گونج اٹھی۔ فریدی آہستہ آہستہ زینوں کی طرف ریگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی جدو جد کے بعد وہ اوپر پہنچ گیا۔ ار سلانوس کے روپ اور سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اس کی رہنمائی کی اور اس کے قریب پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اندر ہمراہ میں دونوں ایک دوسرے سے گھٹھے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔

"کیا پکڑ لیا۔" نیچے سے کسی نے پوچھا۔

آواز سن کر فریدی اس طرح چوٹکا کر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ار سلانوس صاف نکل گیا۔ فریدی اندر ہمراہ میں اس کے دوڑنے کی آواز پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دروازہ بند کیا گیا ہو۔ اتنی دیر میں اس کے ساتھی بھی اوپر آگئے تھے۔ مارچ کی روشنی میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ انہوں نے زور لگا کر اسے کھولنا چاہا مگر ان کی کوشش بے کار

گئی۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔

"بھٹاگر کے ساتھیوں میں سے ایک کی کمر میں کلبازی لگی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

پھر چند لمحوں کے بعد وہ دروازہ کلبازی کی ضربوں سے مل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اسے بھی توڑ گریا اور ساتھی ہی اندر سے ایک فائر ہوا اور فریدی کا ساتھی چیخ کر پہنچے لڑک گیا۔ بقیہ لوگ اور ادھر اور ادھر ہو گئے۔ فائروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

"ار سلانوس روپ اور پھیک دو۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ تخت میرا... میرا ہے۔ میرے جیتے جی کوئی نہیں لے سکتا۔"

وہ برا بر قاٹ کر تارہ اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ دفعہ اندر چیخ سنائی دی۔

"ہو.... اف.... باخ.... میرا ہے.... یہ میرا ہے.... کوئی نہیں لے سکتا۔"

"باخ.... خاہ.... میرا باخ....!"

اندر سے گولی چلنی بند ہو گئی تھی۔

فریدی نے اندر تارچ کی روشنی ڈالی اور اس کی آنکھیں جیرت سے چھیل گئیں۔ تخت عقرب روشنی میں دک رہا تھا اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے جملگار ہے تھے۔ ار سلانوس نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے وہ انتہائی محبت سے کسی نیچے کو پیار کر رہا ہو اور اس کے خون کی بوندیں تخت سے زمین پر رہی تھیں۔

گولی اس کے سینے میں لگی ہوئی تھی۔

"میرا.... ہائے....!" وہ ایک بار پھر ترپا اور زمین پر آرہا۔ اس کا منہ چھیل گیا تھا اور آنکھیں طقوں سے نکل پڑی تھیں۔

دفعہ فریدی کو اس ساتھی کا خیال آیا جس کے گولی لگی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا اور گرے ہوئے ساتھی پر جک ٹالی کیپٹن حملہ تھا۔ گولی اس کی ران میں لگی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ فریدی زخم کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے خیال کے مطابق پڑی نہیں نوثی تھی۔ گولی نے صرف گوشت کو چھیدا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسکے جاوید بابر سے مدد لے آیا اور وہ سوراخ کھود کر بڑھلیا گیا۔ جس سے وہ اندر آئے تھے۔ بھٹاگر اور اس کے بے ہوش ساتھی وہاں سے انہوںے گئے۔ کیپٹن حامد کو بھی

نکالا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ارسلانوس کی لاش انہوائی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کی موت کے بعد حمید کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی موت کا سین وہ کافی عرصے تک نہ بھلا کے گا۔ اس کے خیال کے مطابق ارسلانوس نہ آدمی تھیں تھا۔ اسے اس بے پناہ دولت نے پاگل بنادیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں اسی رات کو مارڈا لاجب وہ پہلی بار گڑھی میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی بھی منتظر بانہ انداز میں شبل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں نارج تھی اور وہ اس کی روشنی میں باڈلی کا جائزہ لے رہا تھا۔

”وہ دیکھو....!“ اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ ”اوپر باریک باریک تار نظر آرہے ہیں وہ کھوپڑیاں انہیں تاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ شاید ارسلانوس نے بھولے بھلے آدمیوں کو ڈرانے کے لئے یہ سارا انتظام کیا تھا تاکہ یہاں کے آسمی قصوں کی شہرت ہو اور لوگ اور ہر آنکھی چھوڑ دیں۔“

حید کچھ نہیں بولا۔ وہ ارسلانوس کی موت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ارسلانوس کی موت جیسے شاید وہ کبھی نہ بھلا کے۔ اس نے اس سے پہلے بھی سینکڑوں موتیں دیکھی تھیں کئی خود اس کی گولی کا نشانہ بنے تھے لیکن وہ کسی کی موت سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔

پرده اٹھتا ہے

دوسرے دن دوپہر کو صولت مرزا کی حوصلی کے وسیع ہال میں خلیع کے سارے بڑے بڑے حکام جمع تھے۔ تخت عقرب درمیان میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ تین چار من سے کسی طرح کم نہ ہو گا اور اس میں لگے ہوئے جواہرات کی قیمت کے متعلق کوئی خیال آرائی بھی نہ کر سکا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ فریدی کی تقریر بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ شروع سے ساری داستان بیان کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک سوال کیا۔

”کیا ارسلانوس اس تخت پر عرصے سے قابض تھا۔“

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب خاموش تھے۔ اس کے ہونزوں پر مکراہٹ
چیل گئی اور اس نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی۔

"یقیناً وہ اس پر عرصے سے قابض تھا۔" اس نے کہا۔ "اس کا ثبوت اس ڈائری سے ملتا ہے۔
یہ ارسلانوس کی ڈائری ہے۔ میں آپ کو اس کے بعض خاص خاص حصے سناتا ہوں۔"

۱۹۲۸ء میں تھے جسے حیرت ہے کہ میں آج خوشی سے مرکبوں نہ گیا۔ میں نے تخت عقرب
تک کار است پالیا ہے۔ وہ تخت مجھے مل گیا ہے جسے میں جنوں اور پریوں کی کہانی کا کوئی تخت سمجھتا
تھا۔ میرے خدا اتنی دولت اب میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ ملک کا دولت مند ترین آدمی۔ میں نے
وہ راستہ بند کر دیا ہے جس کے ذریعے سے تخت عقرب تک پہنچا ہوں اور اوپر کے سارے نشانات
بھی مٹا دیے ہیں۔ ایک دوسرا راستہ ہانے کا رادا درکھستا ہوں۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولا۔ "جب اس کے پاگل پن کی وجہ بھی سنئے۔"
"لکھتا ہے۔ وہ میرے خدامیں کیا کروں۔ اسے کہاں لے جاؤں۔ اس تخت نے میری راتوں
کی خند حرام کر دی ہے۔ دن کا سکون چھین لیا ہے۔ میں اسے کیا کروں۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"
فریدی نے بہت سارے ورق الٹ ڈالنے کے بعد پھر جمع کی طرف دیکھا اور آہستہ سے
بولا۔ "اب اس وقت کی تحریریں سنئے۔ جب سے میں اس لئے میں داخل ہوتا ہوں میں تو اسے
الیہ ہی کہوں گا۔ مجھے مر نے سے گہری ہمدردی ہے.... سنئے۔"

گئی رات دو آدمی اس شیطانی کتے کو اس منارے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے ان
کی حماقت پر بُسی آئی اور ان کی دلیری پر عش عش کرتا رہ گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تخت
عقرب کی تلاش میں نہ ہوں۔ اتفاقاً ان پر ایک دیوار آگری اور میں انہیں تہہ خانے میں اٹھایا اور
پھر میں نے انہیں ڈرانے کی اسکم بنائی تاکہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔ میں نے تمیں چار انسانی
کھوپریوں کو جو مجھے اسی تہہ خانے میں ملی تھیں پلے پلے ٹاروں پر نچاتا شروع کیا۔ ان میں قدیلیں
بھی روشن کر دیں۔ ایک آدمی کو ہوش آیا۔ وہ واقعی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے سے
زورہ برابر بھی ہر اس نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ریو اور سے ان کھوپریوں پر گولی بھی چلانی
چاہی۔ میں نے ایک چکاڑ اس کے ہاتھ پر کھینچ مار ل ریو اور زمین پر گرپڑا۔ جسے میں نے تار میں
پھسا کر اوپر کھینچ لیا۔ لیکن وہ پھر بھی خائف نہ ہوا۔

"کیا وہ تم تھے؟" کہی آوازیں آئیں۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب آگے سننے۔ ارسلانوس نے اس شیطانی چنے میں نواب صاحب اور ان کی صاحبزادی کو بھی پھانسے کی کوشش کی تھی۔ اس کے متعلق بھی اس نے تحریر کیا ہے۔"

"لکھتا ہے....! میں نے اسپکٹر فریدی کو یہ قوف بنانے کے لئے ایک دوسری چال چلی ہے۔ خدا کرنے والے دھوکا کھا جائے۔ اگر یہ داؤ اس پر چل گیا تو وہ اسے سونپدی آئیں گی معاملہ سمجھ کر اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اس کے لئے میں جیلے کا فاؤنسنین پنچا کریڈ راج گڑھی کے اسی ڈیمپر پر ڈال آیا ہوں جس میں فریدی اور حمید دب گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم دن میں تو اور ضرور ہی آئیں گے۔"

پھر فریدی نے فاؤنسنین کا قصد بتاتے ہوئے کہا۔ "اس کی آخری تحریر بھی سن لجھے۔ لکھا ہے کل رات کو دیر تک یہ راج گڑھی میں گولیاں چلتی رہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فریدی وغیرہ کے علاوہ بھی کوئی اور تخت عقرب کے چکر میں ہے۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ کیا اب یہ تخت میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیا وہ اب میرا نہ رہے گا جسے میں نے رات رات بھر جاگ کر حاصل کیا ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے۔ وہ میرے لئے قیامت کی گھڑی ہو گی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"بھم لوگ آپ کے اس کارنا سے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔" کمشنر نے انھیں کہا۔ "کمشنر نے انھیں کہا۔" فریدی جنگ کر بولا۔ "لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ تخت نشینی ایک غمنی دریافت تھی۔ میں تو اس کے کی آواز کا راز جاننے کی فکر میں تھا۔"

"ہمیں آپ کی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ اس میں بھی کامیاب ہونگے۔" کمشنر نے کہا۔ شام ہوتے ہوئے تخت عقرب ملٹری کے پہرے میں وہاں سے اٹھوا کر ایک فوبی لاری میں رکھوایا گیا اور اسے سرکاری خزانے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ شاہی فقارہ ڈاکٹر بھٹکنگر کے قبضے سے برآمد کیا گیا۔ حقیقی اس پر بچھو کے ڈنگ کی تصویر کندہ تھی اور اس میں نقشہ بنا ہوا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر فریدی صولت مرزا کو مکمل اشعار کا مطلب سمجھا رہا تھا۔

"فقارے میں ڈنگ کا مطلب تو آپ سمجھ دی گئے۔ اب آگے چلنے۔ بچھو پر اکو بیٹھنے گا۔ معاف

سمجھنے گا۔ یہ اشارہ مجھے آپ ہی کے خاندان کے افراد کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس کتبے کا تعلق بھی آپ ہی کے کسی بزرگ سے رہا ہوگا۔ جبکی انہوں نے الوکا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ دراج کے بعد سے ارسلانوس پہلا آدمی نہیں تھا جس نے اس تخت کو اپنی ملکیت سمجھا ہو۔ آپ کے خاندان کے بھی کچھ بزرگوں کی رسائی اس تک ہو گئی تھی۔ ورنہ یہ دراج کے زمانے میں الوکا کیا تھا اور پھر ان اشعار کی زبان میر و سودا کے زمانے سے بہت پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔ یہ دراج تو.... اکبر کے زمانے میں تھا۔“

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”اب صرف دو مسلکے اور رہ گئے ہیں۔ پہلا تو کتے کی آواز اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر سجھنا کرو۔“ مطلب میں فقارے کی موجودگی کا علم کیوں نکر ہوا۔“

”ہو گا بھی.... مدد گوئی۔“ صولت مرزا آتا کر بولا۔ ”کم بخنوں نے جیل کی تو چاندی لے لی۔“ ”اب کیا حال ہے کچھ بولتی ہے یا نہیں۔“

”صرف دو باشیں کہتی ہے ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کبھی پوچھتی ہے کہ میں کس طرح جلی اور کبھی کہتی ہے کہ میں وہی ڈرامہ دیکھوں گی جو میں نے انگلینڈ میں دیکھا تھا۔“

بس یہی دو باشیں۔

”کیسا ڈرامہ....!“ فریدی چوک کر بولا۔

”ارے بھی کیا ہتاوں۔ اس کے اس کتبے پر مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید اس پر اسی ڈرامے کے دیکھنے کے بعد دورہ پڑا تھا۔“

”ڈرامے کی نوعیت یاد ہے آپ کو۔“ فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”نوعیت کیا؟ نام ہی یاد ہے۔ انطوفی اور قطب پڑھہ ڈرامہ تھا۔“

”مصر قدیم کے افراد....!“ فریدی زیر لب بڑیاں۔ پھر صولت مرزا کی طرف دیکھ کر بولا۔

”تو وہ دورہ کس طرح پڑا تھا۔“

”جیلہ ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ جب ڈرامہ شروع ہوا تو میں نے اسے جگا دیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد مجھے یہ شک گزرا تھا کہ جیل جاگ تو رہی ہے مگر شاید اپنے ہوش میں نہیں ہے۔“

”اوہ.... سو فیصدی سبی بات رہی ہو گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اچھا اس سے پہلے بھی کبھی

انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔“

”میری یادداشت میں تو بھی نہیں۔“ صولت مرزا بولا۔ ”جب سے جلی ہے تجھی سے رث رہی ہے۔“

”ہوں.... اچھا کیا اس ڈرامے میں بھی آگ لگنے کا کوئی منظر تھا۔“

”اب تو اتنا مجھے یاد نہیں۔“

”ضرور رہا ہو گا۔“ فریدی نے پر اعتماد لبھ گیا میں کہا۔ صولت مرزا استقہامی نظر وں سے اسے دیکھنے لگا۔

”دیکھے.... اس قسم کی ذہنی بیماریوں کا سبب معلوم ہو جانے پر مرتضی خود بخود تمہیک ہو جاتا ہے۔ جیلے صاحب کو وہ پھوٹش یاد آگئی ہے جہاں سے ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ مجھے تو یقین ہے کہ اب ان پر دورے نہ پڑیں گے اور اگر اب بھی دورے پڑتے رہیں تو آپ انہیں ضرور کسی سائیکلو انیلیٹ کو دیکھا دیجئے گا۔ مرض کے شروعات کے وقت کی پھوٹش تواب آپ کو یاد آئی گئی ہے۔ محض اسی لکھتے سے وہ ان کا نفیاٹی تجزیہ کر کے مرض دور کر دے گا۔“

فریدی کی لفتگو سے صولت مرزا کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید یہ راج گز ہمی کی طرف روشنہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ دو مزدور بھی تھے۔ فریدی اس منارے کو کھلوانے کا اجازت نامہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ مزدوروں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر دروازے میں چھپی ہوئی ایشیں الگ کر دیں۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ لیا یلوں کے بیٹ کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی دو تین چھپاڑیں نکل کر اجائے میں پکڑنے لگیں۔ وہ چکردار زینے میں کرتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ حمید دل ہی دل چھوڑا تاب کھا رہا تھا۔ اس محلے میں اسے ذرہ برا بر بھی شبہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انسانی کار نامہ نہیں ہے۔ آخری سیڑھیوں پر پہنچ کر فریدی روشنداں سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے قریب قریب ہر روشنداں سے باہر جھانکا اور پھر اچاک ایک روشنداں پر اس کی نظریں جم گئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے روشنداوں سے اس کا موازنہ کر رہا ہو۔

”لا حول ولا قوہ....!“ فریدی آہستہ سے بڑھا لیا۔ ”خود اپہلہ نکلا چوہا۔ آؤ واپس چلیں۔“ اس وقت تو بس کوفت ہو گئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معاملہ ہو گا۔ کیا دھرا ہے

اس میں۔ ”

”آخر کیا بات ہے؟“

”بہت سانے کی بات ہے پیارے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر تھبڑا اس طرح شاید تمہاری بھجہ میں نہ آئے۔ لہذا کسی مزدور سے ایک آدھ بالٹی... پانی منکو والو۔“

”یا مطلب...!“

”او جمید کے پچے کبھی کبھی مطلب پوچھتے بخیر بھی کوئی کام کردارا کرو۔“ جمید نیچے آنے لگا۔ اس وقت پھر بارش کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ مغرب سے سیاہ اور بو جمل کھانا میں اندر ہی تھیں۔ ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔ جمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے منارہ مل رہا ہو۔ نیچے صولت مرزا اور اس کے دوست بھی کھڑے ہوئے تھے۔

”کیوں بھجنی کیا رہ۔“ صولت مرزا نے پوچھا۔

”فی الحال ایک بالٹی پانی ہوتا چاہئے۔“ جمید مسکرا کر بولا۔

”پانی... پانی کیا ہو گا۔“

”تباہی سا ہے۔“

”تباہی...!“

”مجی ہاں اوپر تشریف لے جائیے۔“

صولت مرزا کے ساتھ اس کا ایک نوکر بھی تھا جو اس کے اشارے پر پانی لینے کے لئے چلا کیا اور وہ لوگ منارے پر چڑھنے لگے۔ فریدی دیوار سے نکا ہوا سگار پی رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

”آخر تم نہ مانے۔“ صولت مرزا نے کہا۔

”بھلاما نتا کیسے، جب کہ یہ ساری مشقت میں نے اسی لئے برداشت کی تھی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر بخٹے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔“

”کیوں؟ مایوسی کیوں؟“

”اسلئے کہ ایک بہت ذرا سی بات سینکڑوں برس سے لوگوں کے خوف کا باعث تھی ہوئی ہے۔“

”آخر کیا...؟“

”وزیر اپنی آجائے دیجئے۔“

تحوڑی دیر بعد پانی آگیا اور فریدی نے روشنداں پر چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔

”یہ بھی تمیک نہیں۔“ فریدی نے کہا اور بالائی روشنداں کے اوپر بنی ہوئی ایک کارنس پر رکھ دی اور پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسے بھگو کر اس کا ایک سرا بالائی میں ڈال دیا اور دوسرا روشنداں پر لٹکا دیا۔ اس سے روشنداں پر پانی پکنے لگا۔

”ایمی کافی دیر گے گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”آئیے میں آپ کو وہ باوی دکھاؤں جیسا تھا عقرب رکھا ہوا تھا۔“

حید کو اس نے وہیں روک کر روشنداں کو ترکرتے رہنے کے لئے کہا اور مرزا وغیرہ کو لے کر پیچے اتر گیا۔

”وہ تقریباً تین چار گھنٹے تک باوی میں رہے۔ انہوں نے وہ راست تلاش کر لیا ہے اور سلانوس نے بند کر دیا تھا۔

جب وہ گزھی سے نکل رہے تھے تو انہوں نے کتے کے رومنے کی آواز سنی۔ فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ لیکن دوسرے لوگ بد خواں ہو گئے۔

”غمبرائے نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اس بھوت کو بھی پکڑ لیا ہے۔ آئیے میرے ساتھ۔“

میثار کے قریب پہنچ کر فریدی نے دیکھا کہ حید میثار سے بہت دور کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا ہے۔

کتا رہ رہ کر رو رہا تھا۔

”کیوں حید کیا بات ہے۔“ فریدی نے فس کر پوچھا۔

”کیا شیطان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔“ حید جھلا کر بولا۔

”خیر..... خیر..... آؤ میرے ساتھ.....“ فریدی اس کے کانہ سے پرہا تھا رکھتا ہوا بولا۔ تقریباً سب ہی اوپر جاتے ہوئے پہنچا رہے تھے۔ بدقت تمام وہ انہیں اوپر لے گیا۔ بالائی منزل بالکل خالی تھی۔ لیکن کتے کے رومنے کی آواز بدستور جاری تھی اور یہاں یہ اتنی تیز تھی کہ ان کے کان پہنچے جا رہے تھے۔

"یہاں لوحر روشنداں میں دیکھئے" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس لکڑی کے فریم کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بغیر بھی روشنداں بنالیا جا سکتا تھا اور پھر دیکھئے کہ اس میں سوراخ کی کیا ضرورت تھی۔ روشنداں کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک دوائی قطر رکھنے والا سوراخ بنادیا جائے۔ ہاں تو اب دیکھئے لکڑی کے بھیگنے کی وجہ سے یہ سوراخ پہلے سے زیادہ تھک ہو گیا ہے اور سامنے والے بڑے روشنداں سے آنے والے ہوا کے جھوٹکے جب اس سوراخ سے گزرتے ہیں تو یہ آواز پیدا ہوتی ہے جب یہ تھک ہو کر کشاوہ ہو جاتا ہے تو یہ آواز نہیں پیدا ہوتی۔"

"مگر اس طرح آواز کیسے....؟" ایک صاحب نے کہا۔

"بھی بانسری بجائی ہے آپ نے۔" فریدی نے کہا۔ "بانسری کی آواز کا دار و مدار بھی تو سوراخوں پر ہوتا ہے۔ ہاں تو نواب صاحب یہ دراصل ایک اشارہ تھا ہے لوگوں نے آسمی خلل سمجھ لیا۔ یہ اشارہ اس بات کا تھا کہ اب اس قریب کی ندی میں سیلاپ آنے والا ہے۔ یعنی اتنی بارش جس سے بھیگ کر یہ سوراخ اس قدر تھک ہو جائے کہ اس قسم کی آوازیں نہیں لگتیں۔ ندی میں سیلاپ کی اطلاع لانے کے لئے یہ آواز کافی ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ راج کے زمانے میں لوگ اس سے واقف رہے ہوں گے اور اس کی پہلی آواز پر گاؤں خالی کرنا شروع کر دیتے رہے ہوں گے۔"

سب لوگ پر سکوت انداز میں فریدی کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر کوئی نہ بولا۔

"آج بھی یہ کتابورہ ہاہے۔" فریدی آنکھ مار کر بولا۔ "لیکن آج سیلاپ نہیں آئے گا۔ دیے گاؤں والوں میں بچپن ضرور پیدا ہو گئی اور وہ بھاگ بھی رہے ہوں گے۔"

"بھی خدا کی قسم! تم سے بڑا بھوت بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذر۔" صوت مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"آئیے اب چلیں۔" فریدی نے کہا۔ "ورث بے چارے گاؤں والے خواہ مخواہ پریشان ہوں گے؟"

راتستے میں فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کوئی حمید صاحب کیا خیال ہے۔" "اب شاید آپ میری منہ سے بھی اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

”حالاً کد فواب صاحب نے بڑے مناسب الفاظ میں آپ کی تعریف کر دی ہے۔“

سب ہنسنے لگے۔ گاؤں میں انتشار پھیل گیا تھا۔ صولت مرزا نے فوراً ہی کہ کنارے بے ہوئے لوگوں میں آدمی دوزادیے تھے جو لوگوں کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب تک کمز کی بھیکی رہی کتے کے روئے کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں۔

اسی شام کو اطلاع ملی کہ ڈاکٹر بھٹناگر نے جانے کس طرح حوالات میں خود کشی کر گئی، اس طرح فریدی اپنے ایک سوال کے جواب سے محروم رہ گیا۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصلیں میں فارے کی موجودگی کا علم کیوں نکر ہوا تھا۔

رات کو کھانے کی میز پر تخلیق فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ”ان واقعات کی رپورٹ کی ایک کالپی اپنے دستخط سیست مجھے بھی بیجوائیے گا۔“

”خدا کے لئے اب آپ اپنی شادی کر لیجئے۔“ حمید نے آہت سے فریدی کے کان میں کہا اور فریدی دانت چیس کر رہ گیا۔ اگر صولت مرزا وغیرہ موجود نہ ہوتے تو وہ حمید کی پینچھے پر ایک زوردار گھونسہ ضرور سید کر دیتا۔ بہر حال وہ سب حمید کو استفہامیہ نظر دیں سے دیکھ رہے تھے اور فریدی دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔“

ختم شد